ادیان عالم میں ہم آہنگی کے مشترکہ نکات
سیرت طیبہؐ کی روشنی میں

پروفیسر مسز نسرین وسیم

سلام اس ذات اقدس پر سلام اس فخر دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
(جگن ناتھ)

ہزاروں دورد وسلام اس آقائے نامدار پر جو ''رب العالمین'' کی جانب سے ''رحمۃ للعالمین'' بن کر آئے۔ جس کے نور سے تمام عالم منور ہوا اور جس کے نطق سے دنیا مسحور ہوئی۔ آپ ﷺ نے اپنے حلم و بردباری سے دنیا کو امن کا گہوارہ بنادیا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت میں دنیا کی فلاح و کامیابی پوشیدہ ہے۔ رحمت عالم ﷺ کو تمام انسانوں کی رہنمائی وہدایت کے لئے رہتی دنیا تک نبی بنا کر بھیجا گیا۔ دونوں جہان میں کامیابی کے لئے ان پر قرآن کریم، آخری کتاب اتاری گئی اور جو آپ ﷺ پر ایمان لایا اس پر آپ ﷺ کی فرمانبرداری واطاعت لازم قرار دی گئی۔ دین نام ہے اطاعت اور اتباع کا۔ خالق حقیقی نے فرمایا:

لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ (۱)

بلاشبہ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں بہترین نمونہ ہے۔

محسن انسانیت، قائد تمدن، رہنمائے کاروانِ انسانیت حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ وہ واحد منبع ہے جس سے عالم اسلام کی زندگی اور انسانی معاشرے کی سعادت کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ یہ انسان ہی ہے جس کو خلعت وجود بخشنے کے بعد اس کے خالق نے فرمایا کہ:

آپ ﷺ کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے نمونہ بنایا گیا۔ (۲)

موضوع کی وسعت و همه گیریت: اب ہم موضوع کے حوالے سے بین التہذیبی و بین الثقافتی تقارب وہم آہنگی سیرت پاک کی روشنی میں'' بات کو آگے بڑھائیں گے،

صدر شعبہ اسلامیات/ ایم۔ اے
گورنمنٹ اسلامیہ ڈگری کالج برائے خواتین

بلاشبہ موضوع اپنے اندر انتہائی وسعت اور عالمگیریت رکھتا ہے۔ یہ موضوع اپنے مباحث کی وسعت کے لحاظ سے عالمی وانسانی رنگ کا حامل ہے اور اپنے اندر گہرائی اور بڑے وسیع اعماق و آفاق رکھتا ہے۔ اس کی زمانی مدت پہلی اسلامی صدی سے لے کر ہماری موجودہ صدی تک اور اس کی مکانی مسافت دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور اسکی معنوی وسعت ''عقائد سے اخلاق واعمال تک'' اور انفرادی واجتماعی زندگی سے سیاست وقانون اور بین الاقوامی تعلقات تک اور فکری، علمی واخلاقی اصلاحات وترقیات سے لے کر فن تعمیر، شعرو ادب اور ذوق لطیف تک محیط وبسیط ہے۔

سیکولر مفکرین نے تہذیب (کلچر) کو مذہب کے متبادل وسیع تر معنوں میں متعارف کرایا۔ مسیحی معاشرے میں ایک اچھے انسان کی پہچان، اس کے اخلاقی و روحانی اوصاف اور ایسے معاشرتی رویوں پر منحصر تھی جو مسیحی مذہب وروایت پر مبنی تھے۔ ایک اچھے انسان کی پہچان کے لئے کلچر کو بنیاد بنایا اور پھر تہذیب کی تعریف وتوضیح میں ایک فکری فریم ورک تیار کیا۔ پاکستان میں سیکولر فریم ورک غالب کرنے اور اسلامی حوالے کو اجتماعی زندگی سے خارج کرنے کی کاوشیں تو تشکیل پاکستان کے فوراً بعد شروع ہوگئی تھیں۔ یہ کشمکش ابھی تک جاری ہے۔ یہاں ایسی قوتیں ہمیشہ موجود رہی ہیں جنہوں نے سیکولر نقطہ نظر کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کی ہے۔ جبکہ اسلامی مفکرین نے دینی حوالے کو مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی کی اساس قرار دیا ہے۔ (۳)

اس مقالے میں تہذیب وثقافت کی بحث بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے ہماری یہ کوشش ہوگی کہ تہذیب وثقافت کی تعریف وحیثیت متعین کی جائے اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے معنی ومفہوم اور اس کی روح کو جانیں، کہ تہذیب کیا ہے؟ کیونکہ ہمارے یہاں تہذیب کے لئے کئی الفاظ مروّج ہیں۔ مثلاً ثقافت، تمدن، تہذیب اور کلچر، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ الفاظ ہم معنی ہیں؟ علماء نے اس سوال کے مختلف جواب دیئے ہیں کسی نے تمام الفاظ کو ہم معنی قرار دیا ہے، کسی نے تہذیب کو عام اور باقی الفاظ کو خاص بتایا ہے۔

تہذیب کی روح، معنی و مفہوم: تہذیب کے لفظی معنی اصلاح وہدایت کے ہیں۔ (۴) عام بول چال میں ثقافت اور تہذیب کے الفاظ ہم معنی اور مترادف سمجھے جاتے ہیں، لیکن علمی اصطلاح میں دونوں میں نمایاں فرق ہے۔ عربی لغت میں تہذیب کے معنی ہیں:

۱۔کسی درخت، مضمون یا مسودہ قانون وغیرہ کی کاٹ چھانٹ کرنا،۲۔نقائص سے پاک صاف کرنا، ٹیڑھ نکال دینا یا اصلاح کرنا،۳۔تعلیم دینا، رہنمائی کرنا،۴۔کلچر،۵۔تنقیح۔(۵) لیکن اصطلاح میں تہذیب کا لفظ ہر چیز کی درستگی اور اصلاح پر بولا جاتا ہے۔یعنی ارادہ اور نیت کی درستگی، خیالات وجذبات کی درستگی، عادات واطوار کی درستگی، رسم ورواج کی درستگی، نظام معاشرت کی درستگی، سیاست ومدن، اقتصادی ومعاشی اور لین دین، تجارت، زراعت، صنعت وحرفت کی درستگی، فنون لطیفہ کی درستگی، زبان وادب اور روحانی وفکری قوتوں کی درستگی، غرض یہ کہ زندگی کے تمام شعبوں میں درستگی اور اصلاح کرنا ''تہذیب'' ہے۔سرسید تہذیب الاخلاق کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے پہلی اشاعت میں لکھتے ہیں: ''اس پرچہ کے اجراء سے مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل درجہ کی سویلائزیشن Civilization یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جائے تاکہ جس حقارت سے مہذب قومیں Civilized ان کو دیکھتی ہیں وہ رفع ہوئے اور وہ بھی دنیا میں معزز اور مہذب قومیں کہلائیں۔'' (۶) سویلائزیشن انگریزی لفظ ہے جس کا ہم نے تہذیب ترجمہ کیا ہے۔مگر اس کے معنی نہایت وسیع ہیں۔اس سے مراد ہے انسان کے تمام افعال ارادی، اخلاق اور معاملات، معاشرت اور تمدن، اور طریقہ تمدن اور صرف اوقات اور علوم اور ہر قسم کے فنون اور ہنر کو اعلیٰ درجے کی عمدگی پر پہنچانا اور ان کو نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے برتنا جس سے اصل خوشی اور تمکین ووقار اور قدر ومنزلت حاصل کی جاتی ہے اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہے۔(۷)

تہذیب کی مزید تشریح کرتے ہوئے سرسید لکھتے ہیں: ''جب ایک گروہ انسانی کسی جگہ اکھٹا ہو کر بستا ہے تو اکثر ان کی ضرورتیں اور ان کی حاجتیں، ان کی غذائیں، ان کی پوشاکیں، ان کی معلومات، ان کے خیالات ان کی مسرت کی باتیں اور ان کی نفرت کی چیزیں سب یکساں ہوتی ہیں۔اور اسی لئے برائی اور اچھائی کے خیالات بھی یکساں ہوتے ہیں اور برائی کو اچھائی سے تبدیل کرنے کی خواہش سب میں ایک سی ہوتی ہے اور یہی مجموعی خواہش تبادلہ یا مجموعی خواہش سے وہ تبادلہ اس قوم یا گروہ کی سویلائزیشن (تہذیب) ہے۔ان دونوں حوالوں سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ تہذیب کی روح اچھائی ہے۔

اہل مغرب کی نگاہ میں تہذیب کی تعریف جنہوں نے مغربی تہذیب کو دنیا کی عالی ترین تہذیب قرار دیا ہے ان مفکرین کی تہذیبوں سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ تہذیب سے ان کی کیا مراد ہے؟ کس قدر مادی ترقی اور کس قدر روحانی ترقی ہے۔ پروفیسر جوڈ کے مطابق ''تہذیب خوبصورت چیزیں بنانے، آزادی سے سوچنے اور نئی نئی چیزیں سوچنے اور ان اصولوں اور ضوابط پر عملدرآمد کرنے میں مضمر ہے جن کے بغیر لوگ گزر نہیں سکتے'' (۸) پروفیسر میک آئیور کا خیال ہے کہ ''تہذیب وہ پوری مشینری اور تنظیم ہے جسے انسان نے اپنی زندگی میں ترتیب دیا ہے، اس میں نہ صرف ہماری معاشرتی تنظیم شامل ہے بلکہ ہماری تمام ہنرمندیاں اور مادّی ترقی کے اوزار بھی شامل ہیں''۔(۹)

ثقافت کا مفہوم: انگریزی کا لفظ کلچر Culture عربی کے لفظ ثقافت کا مترادف ہے۔ ثَقُفٌ، ثَقَفٌ اور ثَقَافَةٌ

کے معنی ہیں زیرک، دانائی اور کسی کام کے کرنے میں عقلمندی اور مہارت ''ثقافت'' اس آلہ کو کہتے ہیں جس سے نیزے سیدھے کئے جاتے ہیں۔(۱۰) امام راغب اصفہانی اپنی کتاب مفردات القرآن میں لکھتے ہیں: ''کہ کسی چیز کو بھانپ لینے اور کسی کام کے کرنے میں مہارت اور حذاقت کا نام ثقف ہے'' (۱۱) قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے''

واقتلوهم حيث ثقفتموهم۔ (۱۲) اور جہاں ان کو پاؤ مارو۔ فَاِمَّا تثقفنهم فی الحرب۔ (۱۳) اگر تو ان کو لڑائی میں پائے۔ مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوا وَقُتِلُوْا تَقْتِيلاً (۱۴) پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور قتل کئے جائیں گے۔ راغب علی بیروتی اپنے رسالہ الثقافتہ میں لکھتے ہیں: الثقافة: هل هى الاصلاح النفس الصحيح الكامل بحيث تكون صاحبها مرأة الكمال والفضائل ...... اصلاح الفاسد و تقويم الموج۔ (۱۵)

یعنی ''ثقافت'' نام ہے نفس کی صحیح اور کامل اصلاح کا اس طرح کہ ثقف آدمی کی ذات کمال اور فضائل کی آئینہ ہو۔ فاسد کی اصلاح اور ٹیڑھے کو سیدھا کرنا ثقافت ہے۔

آرنلڈ اپنی کتاب Culture Auarchy میں کلچر کی وضاحت کرتے ہوئے: ''انسان کو کامل بنانے کی بے لوث سعی ہے کلچر کمال کی تحصیل ہے''۔(۱۶) ٹی۔ایس۔ایلیٹ ثقافت

کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے: ''ثقافت آدب کی شائستگی کا نام ہے یعنی مدنیت اور انسانیت''۔(۱۷) پھر ایک مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: ''ثقافت سے میری اولین مراد وہ ہے جسے ماہرین لسانیات بیان کرتے ہیں یعنی ایک خاص مقام پر رہنے والے مخصوص افراد کا طرز حیات''۔(۱۸)

فلپ بگ بی Philip Bagby لکھتا ہے: ''ثقافت معاشرے کے افراد کے داخلی اور ابدی طرز عمل کی باقاعدگیوں کا نام ہے۔ اس میں وہ باقاعدگیاں بھی شامل ہیں جو صاف طور پر موروثی بنیاد رکھتی ہیں۔''(۱۹)

ڈاکٹر برہان الدین احمد فاروقی لکھتا ہے کہ: ''یہ جرمن کے لفظ کلتور Kultur سے ماخوذ ہے۔ جس میں جوتنے بونے اور اگانے کا استعارہ پایا جاتا ہے، مگر جو کچھ جوتا جاتا ہے وہ زمین نہیں۔ انفرادی اور اجتماعی ذہن سے جو کچھ بویا جاتا ہے وہ بیج نہیں تصورات ہیں اور جو کچھ لگایا جاتا ہے وہ اناج کی فصل نہیں، بلکہ یکسانیے کردار کا نمونہ ہے۔ جس کی بدولت کسی گروہ میں وحدت کا منشور راسخ ہوتا ہے۔''(۲۰)

E.B.Tylor کے مطابق ''کلچر (ثقافت) وہ پیچیدہ کل ہے جس کی تنوین و ترتیب، علم، عقیدہ، آرٹ، اخلاق، قانون، رسم و رواج اور ان تمام دوسری صلاحیتوں سے جو انسان نے بحیثیت معاشرہ سے حاصل ہوتی ہے۔(۲۱)

قرآن کریم میں کلچر کا مترادف لفظ ''فلاح'' آیا ہے جیسا کہ قرآن کریم کے آغاز میں ''اولٰئِکَ ھُمُ المفلحون'' کے الفاظ آئے ہیں۔ ''فلح'' کے اصل معنی شق یعنی پھاڑنا ہیں، زمین پر ہل چلانے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ یہی لغوی معنی (۲۲) کلچر کے ہیں، یعنی ہل چلانا، عام وسیع مفہوم میں انسانی اعمال کے ثمرات پر بولا جاتا ہے۔ پس قرآنی نقطۂ نگاہ سے ثقافت سے مراد ''ان قوائے مضمرہ کا ظہور ہے، جو اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ذرہ ذرہ میں ودیعت کر رکھے ہیں۔ جب انسان کی مخفی استعدادیں ظاہر ہو جائیں اور کائنات کے ذرے ذرے کو اپنا تابع بنالیں تب ثقافت اپنے نقطہ عروج کو پہنچ جاتی ہے۔''

تہذیب، ثقافت اور تمدن میں فرق: انسانی زندگی دو پہلوؤں پر مشتمل ہے، ایک مادی اور دوسرا روحانی، یہ دونوں اپنے اپنے مطالبات اور مقتضیات رکھتے ہیں، جب

ایک انسان مادی زندگی کی ضروریات کے لئے کوشاں ہوتا ہے تو تمدن وجود میں آتا ہے اور جب انسان لطیف جذبات، احساسات، ذہن اور روح کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ذرائع اور وسائل عمل میں لاتا ہے تو ثقافت وجود میں آتی ہے۔ مثلاً ایک فلسفی کے افکار، شاعر کے اشعار، موسیقار کے نغمات سب ایک انسان کے داخلی احساسات اور کیفیات کا آئینہ دار ہیں۔ گویا تمدن خارجی امور کا مظہر ہوتا ہے اور ثقافت باطنی کیفیات کا مظہر۔ الندوۃ العالمیہ للاسلامیات کے مقالہ نگاروں میں ایم۔ زیڈ صدیقی کلچر اور تمدن کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''ثقافت کی اصطلاح فکری ارتقاء پر دلالت کرتی ہے، جبکہ تمدن معاشرتی ترقی کے بلند درجہ کو ظاہر کرتی ہے۔ لہٰذا ثقافت ذہنی کیفیت کو بیان کرتی ہے اور تمدن اس کے مادی مظہر کی نمائندگی کرتا ہے۔ پہلی کا تعلق فکری عمل سے ہے اور دوسری کا مادی اکتسابات سے، پہلی ایک داخلی کیفیت ہے جبکہ دوسرا خارجی دنیا میں اس کی عملیت کا نام ہے۔ (۲۳)

تہذیبوں و ثقافتوں کی ماہیت: انسانی تاریخ تہذیبوں کی تاریخ ہے۔ یہ کہانی قدیم سمیری اور مصری تہذیبوں سے کلاسیکی اور میسوامریکی سے مسیحی و اسلامی تہذیبوں کی متعدد نسلوں اور چینی اور ہندو تہذیبوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ پوری تہذیب اور ثقافت کے درمیان واضح خط امتیاز کھنچا ہوا ہے۔ تہذیب کو میکانیات، ٹیکنالوجی اور مادی عوامل جبکہ ثقافت کو اقدار، آدرشوں اور معاشرے کی اعلیٰ ذہنی فنی اور اخلاقی خصوصیات سے منسلک کیا گیا ہے۔ (بالعموم) ہر جگہ براوڈل کی اس بات سے بالعموم اتفاق کیا جاتا ہے کہ ''جرمن انداز میں ثقافت کو اس کی بنیاد ''تہذیب'' سے علیحدہ کرنے کی خواہش کرنا مغالطے پر مبنی ہے۔ (۲۴) تہذیب اور ثقافت دونوں کے مجموعی طرز زندگی کی نشاندہی کرتے ہیں اور تہذیب جلی حروف میں لکھی ہوئی ثقافت ہے۔ دونوں کا تعلق ''اقدار، رواج، ادارے اور ان طرز ہائے فکر سے ہے جنہیں کسی مخصوص معاشرے میں یکے بعد دیگرے مختلف پیڑھیوں سے بنیادی اہمیت دی ہو۔'' (۲۵)

قدیم تہذیبوں کا اجمالی خاکہ: ظہور اسلام سے قبل دنیا کی سماجی، معاشرتی، مذہبی حالات۔ قدیم تہذیب و تمدن کے تین بڑے خطے تھے۔ اوّل: مشرقی بحیرہ روم کے نواح کا خطہ، جس میں مصر، بابل، کریٹ، فلسطین، ایران، روم وغیرہ شامل ہیں۔ ان ممالک میں جس ملک کو زیادہ عروج ہوا وہ تقریباً باقی ماندہ سب ممالک پر حکمران ہو گیا۔ دوم: قدیم

تہذیب وتمدن کا دوسرا خطہ چین، ہندوستان، تاتار پر مشتمل ہے۔ یہاں کے قدیم حالات بمقابلہ خطہ اوّل کے کم معلوم ہوتے ہیں۔ سوم: تیسرا خطہ امریکہ کے پرانے باشندوں کا ہے، اور اس تمدن کے حالات سب سے بعد میں کمی کے ساتھ معلوم ہوتے ہیں۔

وادی دجلۂ و فرات کی تہذیب: مشرق کی دوسری قدیم تہذیب وادیٔ دجلہ و فرات کی ہے، جو تاریخ میں سمیری تہذیب کے نام سے موسوم ہے۔ ۴۵۰۰ ق۔م سے ان کے شہر کے نشانات و آثار ملتے ہیں۔ وہ کوہ قاف وسطی ایشیاء آرمینیا کے پہاڑی علاقوں سے ترک وطن کر کے وادی دجلہ وفرات میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔(۲۶) دنیا کے قدیم شہروں میں ''بابل'' Babylon ایک اہم تہذیب کا مرکز رہا ہے۔ حضرت مسیح سے تقریباً تین ہزار سال قبل یہ شہر دریائے فرات کے بائیں جانب آباد ہوا۔ اس کو آباد کرنے والے لوگ سامی النسل تھے۔

آشوری تہذیب: وادی دجلہ وفرات کی دوسری اہم تہذیب الشوری تہذیب ہے۔ اس تہذیب کو بھی جنم دینے والا اور فروغ دینے والا ایک سامی قبیلہ ہے جو جزیرہ نما عرب سے ہی اٹھا تھا۔ ایک بُت کی پرستش کرتا تھا۔ جو آشور Ashor کے نام سے مشہور تھا۔ اس بت کی طرف منسوب ہو کر وہ قبیلہ آشور اور اس کی ریاست آشوریہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

مغربی رومی تہذیب: مغربی رومی سلطنت کا بڑا امتیاز ان کی شہنشاہیت پسندی استعماری روح اور زندگی کا خالص مادہ پرستانہ نقطہ نگاہ تھا۔ جرمن نومسلم عامر محمد اسد لکھتا ہے: ''رومی شہنشاہی پر جو خالص خیال حاوی تھا وہ محض ملک گیری کا خیال اور مادر وطن کے لئے دوسری قوموں سے پورا پورا فائدہ اٹھانا اور لوٹ کھسوٹ کرنا تھا۔ رومی رؤسا و امراء کسی ظلم و بیدردی کو عیب نہیں سمجھتے تھے۔ رومیوں نے کبھی بھی سنجیدگی اور واقعیت کے ساتھ دینداری اختیار نہ کی تھی، ان کے تقلیدی دیوتا محض یونانی خطابات اور خرافات کی پھیکی نقل تھے۔''(۲۷)

ایران و جاپان: قدیم ایران تین صوبوں پر مشتمل تھا، شمال میں عیلام، مغرب میں میڈیا، اور جنوب میں فارس ان تینوں صوبوں کے باشندوں کی ابتدائی تاریخ جدا جدا ہے مگر امتداد زمانہ سے تینوں صوبے ایک حکومت کے تحت آ گئے۔ اور چھٹی صدی قبل مسیح میں دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور سلطنت ہوگئی۔ یہ سلطنت آریہ قوم کی تھی جس کے نام پر اس ملک کا نام ''ایران'' ہوا۔ ایران میں تمام اختیارات کا سرچشمہ بادشاہ کی ذات تھی، بادشاہ وقت کو لوگ دیوتا کا درجہ دیتے

تھے۔ رعایا ان کے آگے سربسجود ہوتی اور ان کی الوہیت کے گیت گاتی تھی۔ لوگوں کی مال و جان پر ان کا مکمل قبضہ ہوتا تھا۔ رعایا کو کوئی حقوق حاصل نہ تھے اور ان کی حیثیت غلاموں سے بدتر ہوتی تھی۔

جاپان: جاپان میں بادشاہوں نے سورج دیوی کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا۔ یہ دعویٰ سب سے پہلے جیمو ٹینو نے کیا۔ اہل جاپان کے نزدیک جس طرح یہ سورج دیوی تمام معبودوں کی آقا ہے، اسی طرح بادشاہ بھی تمام جاپانیوں کا مخدوم اور سردار ہے۔ سورج دیوی کی اولاد ہونے کی حیثیت بادشاہ آہستہ آہستہ خدائی درجہ پر فائز ہوگیا۔ اس کا حکم قانون کا درجہ رکھتا تھا۔

چین: دنیا کے دیگر ممالک کی طرح چین میں بھی بادشاہت کا دور دورہ تھا۔ چینیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ بادشاہ کا تقرر آسمان کی طرف سے ہوتا ہے۔

ہندوستان: مورخین ہندوستان کی تہذیب وثقافت اور تمدن کو پانچ ادوار میں تقسیم کرتے تھے۔ پہلا ویدک دور تھا جو دو ہزار قبل مسیح سے لے کر تقریباً چودہ سو سال قبل مسیح تک رہا۔ دوسرا دور وہ دور ہے جس میں کوروں اور پانڈوؤں کی لڑائیاں لڑی گئیں، تیسرا دور علم و ہنر کا دور ہے۔ جس میں ہیئت، ریاضی، فلسفہ، وغیرہ علوم میں ہندیوں نے کمال دکھایا، چوتھا دور بدھ مذہب کا ہے، جس میں اس مذہب کو عروج حاصل ہوا اور دو سو پچاس سال قبل مسیح سے لے کر پانچویں صدی عیسوی تک رہا۔ پانچواں دور پراتک دور کہلاتا ہے یہ دور تقریباً پانچ صدی کے اواخر سے لے کر مسلمانوں کی فتح تک قائم رہا۔ (۲۸)

رومہ کی تہذب و ثقافت اور معاشرت: قرون وسطیٰ میں اخوت، مساوات ایک بے معنی لفظ تھا۔ ہر جگہ سماج مختلف طبقات میں منقسم تھا۔ اس طبقاتی تفریق کو قائم اور دائم رکھنے کے لئے نئے نئے قوانین وضع کئے جاتے تھے۔ جسٹی نین Justi Nian نے رومی قانون کی تدوین کی تھی۔ وہ قانونی نقطہ نگاہ سے سماج کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ۱۔ ہنسٹرس Houestiores یعنی ملک کا اعلیٰ ترین طبقہ جو امراء پر مشتمل تھا۔ بغاوت کے علاوہ اس طبقہ کے کسی فرد کو کسی بھی جرم میں سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔ ۲۔ ہمولرس Humiliores اس طبقہ کو غیر معمولی حالات میں موت کی سزا دی جاسکتی تھی ورنہ عموماً قید کی سزا دی جاتی تھی۔ ۳۔ سروی Servi سب سے نچلا طبقہ تھا جس کے افراد کو معمولی معمولی جرائم کی

پاداش میں قتل کی سزا دی جاتی تھی، آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ درندوں کے سامنے پھینک کر ہڈیاں چبوادی جاتی تھیں۔(۲۹)

روم میں عورت کا مقام: روم میں عورت کی حیثیت کے متعلق لکھتا ہے کہ:

''عورت کا مرتبہ رومی قانون نے ایک عرصہ تک نہایت پست رکھا۔ افسر خاندان جو باپ ہوتا یا شوہر اسے اپنی بیوی بچوں پر پورا اختیار حاصل ہا اور عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا۔ اور باپ کو اسقدر اختیار حاصل تھا کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی کو بیاہ دے، بلکہ بعض دفعہ تو وہ کی ہوئی شادی کو توڑ سکتا تھا۔ زمانہ بعد یعنی تاریخی دور میں یہ حق باپ کی طرف سے شوہر کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ اور اس کے اختیارات یہاں تک وسیع ہو گئے کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل کر سکتا تھا۔(۳۰)

ایران کی تهذیبی و معاشرتی زندگی: ایرانی معاشرت چار حصوں میں منقسم تھی۔ ا۔ مذہبی طبقہ (آذرواں)، ۲۔ فوجی طبقہ (ارتشتیاراں)، ۳۔ عمال طبقہ (دبیراں)، ۴۔ عوام پیشہ ور لوگ اور کاشتکار (۳۱) ایران کا قانون اس طبقاتی تقسیم کو قائم رکھنے کے لئے وضع کیا گیا تھا۔ جس میں عوام کو حکومت کے معاملات میں مداخلت کی اجازت نہ تھی۔ نیچی ذات کا کوئی شخص نہ سرکاری دفاتر میں ملازم ہو سکتا تھا۔(۳۲) اور نہ اعلیٰ درجے کے لوگوں کی جائیداد خرید سکتا تھا۔(۳۳)

عورت کی حیثیت: مانی نے رہبانیت پر زور دیا۔ یہ عورت کے حقوق سے دستبرداری کی تعلیم تھی۔ مزدک نے عورت کو آگ پانی اور چارے کی طرح مردوں کی مشترکہ جائیداد قرار دیا۔ دختر اور ہمشیرہ تک سے نکاح جائز اور ایران میں دو طرح کی بیویاں ہوتی تھیں۔ ا۔ زن پادشاہی ہا، ۲۔ زن چگاری ہا۔(۳۴) پہلی قسم کی بیویوں اور ان کی اولاد کو جائیداد میں حصہ ملتا تھا۔ زن چگاری ہا اور اس کی اولاد جائیداد سے محروم رہتی تھی۔(۳۵) قانون کی نظر میں عورت کا کوئی حق یا مرتبہ نہیں تھا۔(۳۶) بیویاں اس میں بدلی جاسکتی تھیں۔ قانون نے غلام اور بیوی کو ایک درجہ پر رکھا تھا۔(۳۷)

غلاموں کی حالت: اہل ایران غلاموں کی کثرت کو وجۂ وجاہت اور امارت خیال کرتے تھے۔ غلاموں کی حالت کا یہ عالم تھا کہ ان کو آرام وراحت نصیب نہیں ہوتا تھا۔ دوبارہ غلطی کرنے اور عادت کی اصلاح نہ کرنے پر اس کی زندگی کو ختم کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ ''ہیرووٹ''

کہتا ہے: ''کہ کسی ایرانی کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے غلام کو کسی ایک گناہ پر ایسی سزا دے جو شدت اور درشتگی کی حد کو پہنچ چکی ہو۔ لیکن جب غلام کسی گناہ کا دوبارہ ارتکاب کرے تو اس کے آقا کو حق حاصل ہے کہ اس کی زندگی کا خاتمہ کردے یا اس کو ہر قسم کا عذاب دے جو تصور میں سما سکتا ہے۔(۳۸)

ہندوستان کی سماجی و تہذیبی حالت: ہندوستانی معاشرت بھی طبقاتی تقسیم کی بیڑیوں میں بری طرح جکڑا ہوا تھا۔ ہندو سماج بے شمار ذاتوں میں منقسم ہو چکا تھا۔ اگرچہ نظریاتی طور پر صرف چار ذاتیں یعنی: ۱۔ برہمن، ۲۔ چھتری (کھشتری)، ۳۔ ویش، ۴۔ اور شودر تھیں، ان کا اعتقاد تھا کہ برہما نے مختلف ذات کے لوگوں کو اپنے جسم کے مختلف حصوں سے پیدا کیا ہے اور اسی کے مطابق سماج میں انہیں کام تفویض کئے گئے ہیں۔(۳۹)

عورت کی حیثیت: لڑکی کی پیدائش کو ہندو سماج میں بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ عورتوں کے دو طبقات بنادیئے گئے تھے۔ ایک اعلیٰ ذات کی عورتیں ہوتی تھیں، اور دوسری چھوٹی ذات کی عورتیں ہوتی تھیں۔ بڑی ذات کی عورتیں مملکت کے انتظامی امور میں اور معاشرتی زندگی میں حصہ لینے کی مستحق سمجھی جاتی تھیں، نچلی ذات کی عورتوں پر کئی قسم کی معاشرتی پابندیاں عائد کردی گئی تھیں۔ دونوں طبقوں کی عورتوں کو مردوں کے برابر سماجی مرتبہ حاصل نہ تھا اور مردانہ برتری کو عملی طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔(۴۰) عورت مال سے محروم تھی اور لڑکی باپ کی جائیداد کی وارث نہیں بن سکتی تھی، بیوہ کو بیع و فروخت کا کوئی اختیار نہ تھا۔ عورت کو جوئے میں داؤ پر لگانے کا رواج تھا۔ شوہر کی موت کے بعد بیوہ کو عقد ثانی کی اجازت نہیں تھی۔ ہندوؤں میں ستی کی ظالمانہ رسم رائج تھی۔ اس میں بیوہ کو اپنے مردہ شوہر کی چتا کے ساتھ باندھ کر زندہ جلا دیا جاتا تھا اور یہ تاثر دیا جاتا تھا کہ اس طرح زندہ جل کر ہر عورت اپنے اسلاف کی تقدیس اور اپنے مرے ہوئے شوہر کے گناہوں کی معافی کا سامان فراہم کرتی ہے اور بعد از مرگ سورگ (جنت) میں داخل کردی جاتی ہے۔(۴۱)

مصر کی سماجی و تہذیبی حالت: مصری معاشرہ تین طبقات میں منقسم تھا۔ ۱۔ شاہی افراد، ۲۔ پروہت، ۳۔ عوام بادشاہ اور شاہی افراد معاشرہ میں بااثر اور مصر کی معاشرتی زندگی کا مرکز اور محور ہوتے تھے۔ دوسرا طبقہ مذہبی پروہت تھے۔ یہ ملک کے اندر بڑے

با اثر ہوتے تھے اس کا حکم بادشاہ کے محل میں زلزلہ ڈال سکتا تھا۔ اس کے حکم پر بادشاہ شاہی اقتدار سے محروم ہو سکتے تھے۔ پروہتوں کی رہائش کے لئے بڑے بڑے عالیشان محلات مندروں سے ملحق ہوتے تھے۔ ان اسباب کی وجہ سے وہ معاشرے کے مرکز بن گئے تھے۔

عورت اور غلام کی حیثیت: مصر میں قحبہ گری تھی۔ مصری فراعنہ کے حرم میں بے انتہا عورتیں ہوتی تھیں اکثر وہ اپنی سگی بہنوں سے شادی کرتے تھے۔ محرمات کے اندر صرف سگی ماں داخل ہوتی تھی۔ مصری معاشرہ میں عورت کا مقام بہت ہی پست اور گھٹیا تھا۔ مصر میں غلامی کا عام رواج تھا۔ غلام بادشاہوں کے محلوں، کاہنوں اور سپہ سالاروں کے گھروں میں موجود رہتے، جنگ میں جو قیدی بنائے جاتے وہ حکومت کے غلام متصور ہوتے۔ آقاؤں کا غلاموں پر ہر طرح کا تسلط و تغلب تھا۔ زندہ رکھیں یا قتل کر دیں۔ (۴۲)

یونانی تھذیب و معاشرت: یونان قدیم تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے۔ ان ملکوں میں عورتوں کو کچھ ضرور حقوق حاصل تھے۔ لیکن پھر بھی وہ نہایت ہی گھٹیا اور کم درجہ کی مخلوق تصور کی جاتی تھی۔ مشہور غیر مسلم مورخ ڈاکٹر گستاؤلی بان بیان کرتا ہے: ''یونانی عموماً عورتوں کو ایک کم درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے۔ اگر کسی عورت کا بچہ خلاف فطرت پیدا ہوتا تو اسکو مار ڈالتے تھے۔'' (۴۳)

غلام کی حیثیت: یونان میں بھی غلامی کا رواج عام تھا۔ یونان کے بڑے بڑے فلاسفہ بھی غلامی کے بارے میں رائے عامہ کے ہم خیال تھے۔ ارسطو اکثر کہا کرتا تھا کہ: ''غلام ایک آلہ ہے مگر ذی روح اور ایک کھلونہ ہے۔'' (۴۴)

چین کی تھذیب و معاشرت: چین میں معاشرتی زندگی کی بنیاد چار طبقات پر تھی: ۱۔ حاکم، ۲۔ امراء، ۳۔ عوام اور ۴۔ غلام۔ اہل چین بھی اپنے مذہبی اور ملکی دستور کے مطابق غلام پر ہر قسم کا تسلط اور استیلا رکھتے تھے، لیکن چینیوں کے اخلاق و عادات دوسری اقوام کی بہ نسبت اچھے تھے، اس لئے وہ غلاموں کے ساتھ دیگر اقوام کی طرح زیادہ وحشیانہ اور بہیمانہ سلوک روا نہیں رکھتے تھے۔ تہذیب کی روح اور اس کے اساس و اصول اور نصب العین کو جاننے سے پہلے ہمیں تہذیب اور مذہب کے تعلق کو سمجھنا ہوگا۔

تھذیب و ثقافت اور مذھب کا باھمی ربط: میتھیو آرنلڈ کے نزدیک کلچر مذہب سے وسیع تر مفہوم رکھتا ہے بلکہ اس کے نزدیک تو مذہب کلچر کا ایک جزو ہے۔

اکثر مصنفین نے کلچر اور مذہب کے ضمن میں یہی بات کہی ہے مثلاً فیضی نے اسلامک کلچر میں اس خیال کو اس طرح واضح کیا ہے: ''مذہب، زبان، نسل، ملک یہ ہیں وہ عناصر جن سے ثقافت کی بوقلموں ساخت بنتی ہے۔'' (۴۵)

اس امر کا فیصلہ بھی صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کلچر کی تعریف کے ساتھ مذہب کی تعریف واضح ہو اور اس کی اثر آفرینی کی حدود متعین کی جائیں، اس طرح مذہب اور تہذیب کا باہمی ربط متعین کرنا آسان ہو جائے گا۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجین اینڈ ایتھکس Encyclopedia of Religion and Ethics کے مقالہ نگار نے مذہب کی تعریف پر مختلف علماء کے بیان اکٹھے کئے ہیں، جن میں سے چند کا تذکرہ ہم یہاں بیان کرتے ہیں E.B.Tylor کے مطابق ''مذہب روحانی موجودات پر اعتقاد کا نام ہے۔'' (۴۶)

فرید وجدی نے مذہب کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے: ''کہ مذہب ان معقول خیالات و تصورات کے مجموعے کا نام ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ تمام افراد انسانی رشتے میں منسلک ہو جائیں۔ مذہب نوع انسانی کے لئے ایک ابدی ضابطہ حیات ہے''۔ (۴۷)

درخائیم نے کہا: ''مذہب ایسے عقائد و اعمال کا ایک متحد نظام ہے جس کا تعلق مقدس اشیاء سے ہو۔ وہ اشیاء جن کو ممتاز گردانا گیا ہے، اور وہ جو ممنوع ہیں عقائد و اعمال جو ایک اخلاقی طور پر منظم مرکزیت کو جنم دیتے ہیں، جسے معبد کہا جاتا ہے۔'' (۴۸)

W.D.Gundry نے اپنی کتاب ''مذہب'' کے باب میں کہا کہ: ''مذہب چونکہ انسانی زندگی پر گہرا اثر رکھتا ہے۔ اس لئے ہر انسان نے اپنے تجربے کی بنیاد پر مذہب کی تعریف کی ہے۔ مثلاً مذہب خدا پر یقین رکھنے کا نام ہے۔ مذہب اچھی زندگی گزارنے کا نام ہے اور مذہب باطن کے گہرے تجربے کی کوئی قسم ہے وغیرہ''۔ ''غیر جانبداری سے اگر دیکھا جائے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذہب میں ایک فکری، اخلاقی اور تجرباتی پہلو شامل ہے۔ ہر مذہب کا ایک عقیدہ ایک اخلاقی ضابطہ اور ایک نظم ہوتا ہے۔'' (۴۹)

برونائیٹ ہیڈ لکھتا ہے: ''مذہب اعتقاد کی اس قوت کا نام ہے جس میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ انسان اور اس کے کردار میں انقلاب پیدا کردے۔ بشرطیکہ اسے خلوص کے ساتھ قبول کیا جائے اور بصیرت کے ساتھ سمجھا جائے۔ (۵۰) مشہور عالم نفسیات پروفیسر جیمز ایچ لیوبا نے مذہب کی

تعریف میں کہا: ''مذہب ایک روحانی اور نفسی حاسہ ہے، جس کی بنیاد یہ عقیدہ ہے کہ انسان اور کائنات میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔'' مذہب ان مافوق الانسانی قوتوں کی رضا جوئی کا نام ہے، جو انسانی زندگی پر حکمران ہیں۔ مذہب اس جستجو کا نام ہے جو انسانی زندگی کے حقیقی مقاصد کے ادراک کے لئے کی جاتی ہے۔''(۵۱) مذہب ناگزیر ہے

مذہب ہر قوم کی فطری اور اوّلین ضرورت: ہر قوم اور ہر نسل میں مذہب ایک مشترکہ امر ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مذہب فطری ضرورت ہے۔ کیونکہ تمام دنیا کا کسی موہوم اور باطل شے پر مجتمع ہو جانا عقلی طور پر ناممکنات میں سے ہے۔ مغربی مفکر پلوٹارک کہتا ہے: ''کسی انسان نے ایسی بستی نہیں دیکھی جس میں مذہب نہ ہو۔''(۵۲)

فرانس کا مشہور مفکر والٹیئر voltaire لکھتا ہے: ''زرواسٹیر Zoroaster منو Mano سیولون Solon سقراط Socrates سب کے سب ایک ہی پروردگار کی پرستش کرتے تھے اور یہی فطرت ہے۔''(۵۳) قرآن کریم کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ: ''مذہب ایک فطری اور ناگزیر ضرورت ہے'' ارشاد ربانی ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفاً فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ O(۵۴)

پس اپنا منہ سب کو طرف پھیر کر دین کی طرف سیدھا کر لو، یہ اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر اسی نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی حالت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ یہی قائم رہنے والا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' دین کیونکہ تہذیب وثقافت کا جزو ہے اور مذہب ہر قوم کی فطری ضرورت ہے، لہٰذا ہماری بحث کہیں تشنہ نہ رہ جائے ہم مختصراً بعثت نبوی ﷺ کے وقت دنیا کی تہذیب وثقافت اور مذاہب کی تقسیم کا جائزہ لیں گے۔

تہذیب و ثقافت اور مذہب کا ارتقائی خاکہ: انسانی تہذیب کی تاریخ دراصل مذہب کی تاریخ ہے انسان فطری طور پر مذہبی ہے، اس لئے وہ ہمیشہ عقائد و تصورات سے وابستہ رہا ہے، مذہبی عقائد میں تغیر وتبدل ہوتا رہا ہے اور انسان مختلف جہتوں پر گامزن ہونے کے باوجود شاہراہ حیات پر رواں دواں رہا ہے۔ جناب رشید احمد لکھتے ہیں۔ ''جیسے جیسے انسان دیگر شعبہ ہائے حیات میں ارتقائی منازل طے کرتا گیا اس کے مذہبی اور تہذیبی

خیالات بھی متوازی خطوط پر ترقی کی راہ پر گامزن ہے پھر مختلف اقوام کے باہمی اختلاط واتصال نے بھی ان عقائد کو بے حد متاثر کیا اور جیسے جیسے انسانی زندگی یکجہتی اور ہم آہنگی کی طرف بڑھتی رہی توحید سے قریب تر ہوتی گئی۔(۵۵)

تہذیب کا ارتقاء: مذہب کے آغاز کے بارے میں اس وقت دو تصورات پائے جاتے ہیں۔ ایک ارتقائی تصور اور دوسرا وہ تصور جو خود مذہب نے پیش کیا ہے۔ مذہب کے ارتقائی تصورات کی رو سے انسان کی ابتدا گمراہی اور لاعلمی سے ہوئی اور پھر رفتہ رفتہ انسانوں نے خدا پرستی اختیار کر لی۔ مذہبی نقطۂ نظر یہ ہے کہ خدا نے جب انسان کو اس دنیا میں بھیجا تو ساتھ ہی اس کی تمام جسمانی ضروریات کی طرف اس کی روحانی ضروریات (ہدایت) کا بھی سامان کیا۔ پہلا شخص جسے اللہ تعالیٰ نے بھیجا، ہدایت یافتہ بلکہ پیغمبر تھا۔ اس کے بعد بھی لوگوں میں جب گمراہی پھیلی تو اللہ تعالیٰ نے پھر پیغمبر بھیجے، جنہوں نے دنیا کو راہ ہدایت دکھائی۔ اس اعتبار سے توحید قدیم ہے اور شرک جدید۔(۵٦)

بعثت نبوی کے وقت دنیا کی تہذیبوں و ثقافتوں کا مذہبی تناظر میں جائزہ: مشرکین مکہ اور عرب بت پرستوں کے بھی تہذیب وثقافت کے متعلق مختلف نظریات تھے، چنانچہ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ جو کچھ ہے زمانہ یا فطرت ہے، اللہ تعالیٰ کوئی چیز نہیں، ان کی نسبت قرآن کریم میں ہے۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے ہماری دنیا کی زندگی ہے، ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں مارتا ہے تو زمانہ مارتا ہے۔(۵۷) بعض اللہ تعالیٰ کے قائل تھے، لیکن قیامت اور جزا وسزا کے منکر تھے، ان کے مقابلے میں قرآن کریم نے یہ استدلال پیش کیا ہے: کہہ دیجئے کہ (ان ہڈیوں کو) وہی دوبارہ زندہ کرے گا، جس نے انہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔(۵۸)

حنفی تہذیب و ثقافت: دین ابراہیمی کا بنیادی اصول توحید خالص تھا، زمانہ کے تغیر کے باعث یہ اصول اگرچہ شرک آلود ہو گیا تھا، یہاں تک کہ خود خانہ خدا میں بتوں کی پرستش ہوتی تھی، تاہم یہ عقیدہ بالکل فنا نہیں ہو سکتا تھا۔ سرزمین عرب میں کہیں کہیں اس کا دھندلا سا نشان ضرور نظر آتا تھا۔ چنانچہ صاحب بصیرت افراد کو شرک و بت پرستی نہایت نفرت انگیز معلوم ہوتی تھی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ چونکہ اس دین فطرت میں بت پرستی سے انحراف تھا، اس لئے اسی

دین حنیف اور اس کے پیروکاروں کو حنفی کہتے ہیں، کیونکہ حنیف کے معنی انحراف کے ہیں۔ اکثر روایات سے ثابت ہے کہ عرب خصوصاً مکّے اور مدینے میں متعدد اشخاص بت پرستی سے بے زار اور اسلامی تہذیب اصول وضوابط کے منتظر تھے، اور بت پرستی کے منکر ہو گئے تھے، وہ دین حنیف، ملت ابراہیمی کی جستجو میں تھے۔(۵۹)

اسلام ایک مکمل دین اور کامل ترین تہذیب وثقافت

عصر حاضر کی عالمی تہذیبیں اور مذہب اسلام ۔

تعارفی جائزہ : دور جدید یا عہد حاضر کے تہذیب کا تعین اور ان کا احاطہ وشمار ایک مشکل امر ہے۔ تقابل تہذیب وثقافت یا تقابل ادیان کے موضوع پر لکھی گئی کتب کے مصنفین اور تقابل تہذیب کے ماہرین اس امر پر متفق نظر آتے ہیں کہ اس وقت اگر دنیا میں لاکھوں نہیں تو ہزاروں مذاہب کے پیروکار ضرور موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ مذاہب کے پیروکاروں کی تعداد کروڑوں تک پہنچتی ہے، اور دنیا کے بعض مذاہب ایسے بھی ہیں جو صرف سو دو سو افراد کے قبائل تک محدود ہیں۔(۶۰) دورِ حاضر یا عصر جدید میں ہم دنیا کے بڑے مذاہب کو دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں، الہامی مذاہب، اور غیر الہامی مذاہب، الہامی مذاہب میں یہودیت عیسائیت اور اسلام ہیں جب کہ غیر الہامی مذاہب میں ہندومت، بدھ مت، جین مت، زرتشت مذہب، مانوی مذہب، جب کہ چینی مذاہب میں تاؤاز اور کنفیوشس اور جاپانی مذاہب میں بدھ مت اور شنٹو ازم قابل ذکر عالمی مذاہب میں شمار ہوتے ہیں۔(۶۱) تہذیب وثقافت کی تاریخ اور قابل ادیان کے مطالعے کے بعد جو تاریخی حقیقت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ تہذیب اور مذہب انسان کی سب سے اہم اور بنیادی ضرورت ہے، یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ میں کوئی تہذیب کوئی تمدن اور کوئی قوم ایسی نہیں گزری اور نہ دورِ حاضر میں ہے جو مذہب سے کلیتاً بے نیاز رہی ہو۔ انسانی تجربے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تہذیب کو ترک کر کے انسان نہ صرف یہ کہ اخلاقی حیثیت سے تباہ ہو جاتا ہے، بلکہ خود مادی وسائل کے استعمال میں بھی وہ توازن برقرار نہیں رکھ سکتا، جو فلاح وخوشحالی کے لئے ناگزیر ہے۔ یہ بھی ایک تاریخی اور ابدی حقیقت ہے کہ تہذیبوں کے حوالے سے ایک خالق و مالک معبود برحق، اللہ کی ہستی کا شعور انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ (۶۲)

''اگر تو ان سے سوال کرے کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے تو ضرور کہیں گے کہ انہیں غالب علم والے نے پیدا کیا ہے۔'' ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا (۶۳)

اور جب تیرے رب نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے اولاد پیدا کی اور ان کو اپنے اوپر گواہ ٹھہرایا اور سوال کیا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، انہوں نے جواب دیا، جی ہاں۔ ہم گواہ ہیں۔''

یہ آیات اور فرامین باری تعالیٰ اس تاریخ ساز حقیقت کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں کہ خدا کی ہستی کا شعور انسان کی فطرت میں عملاً ودیعت کر دیا گیا ہے۔ جس میں ہر دور، ہر زمانے اور ہر عہد کے بدلتے ہوئے حالات اور چیلنجز کا سامنا کرنے کی پوری قوت موجود ہے۔ دین اسلام غالب ہے اور غالب رہنے ہی کے لئے آیا ہے۔ اس ناقابل تردید حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے قرآن کریم نے اعلان عام فرمایا:'' وہی پاک ذات تو ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام دیگر ادیان پر غلبہ عطا کرے۔ خواہ یہ مشرکین کو (یعنی اسلام دشمن) تہذیبوں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔'' (۶۴) غلبہ و اختیار صرف اور صرف دین اسلام کے لئے ہے، یہ دین کا تقاضا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اب سربلندی اسلام کو حاصل ہونی چاہئے اور زمانے پر اس اسلامی تہذیب کی حکمرانی قائم ہونی چاہئے، تاہم دیگر ادیان و مذاہب کے ساتھ رواداری پر مبنی وہ راستہ اختیار کیا جائے جو پر امن بقائے باہم اور غیر جانبداری پر مبنی ہو، قرآن کریم نے اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے امت مسلمہ کو ایک ضابطہ عطا فرمایا:

لا اکراہ فی الدین (۶۵) دین (کے معاملے) میں کوئی جبر اور زبردستی نہیں۔

لکم دینکم ولی دین (۶۶) تمہارے لئے تمہارا دین ہے، میرے لئے میرا دین۔

ولا تسبو الذین یدعون .... بغیر علم (۶۷) ''مومنو! جو لوگ اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کی پرستش کرتے ہیں، انہیں برا نہ کہو کہ یہ لوگ نادانی اور جہالت کے سبب اللہ

تعالیٰ کو برا کہنے لگیں گے۔" عصر حاضر میں اسلامی تہذیب وثقافت کے عطا کردہ اس اصول اور نظریے کو اگر تمام مذاہب اور مہذب اقوام اپنالیں تو بڑی تہذیبی وثقافتی تقارب کو فروغ حاصل ہوگا۔ مذہبی یگانگت اور ہم آہنگی کے حوالے سے یہ وہ ضابطہ ہے جس کی مثال عالمی تہذیب اور دنیا کے مذاہب پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

دین اسلام ایک مکمل دین اور ابدی ضابطہ حیات ہے، جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایات وتعلیمات کی روشنی میں زندگی کے تمام شعبوں اور بندگی کے تمام گوشوں کی تعمیر اور صورت گری کرتا ہے، یہ زندگی کے ہر پہلو کو ہدایت الٰہی کے نور سے منور کرتا ہے۔ قرآن کریم دین کو ایک جامع اصطلاح کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

ان الدین عند اللّٰہ الاسلام (۶۸) بلاشبہ دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا گیا: ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ (۶۹) اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا، اس سے وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ رسول اکرم ﷺ کی پیغمبرانہ خصوصیات میں سب سے اہم اور نمایاں خصوصیت آپ ﷺ کا امام الانبیاء، سید المرسلین اور خاتم النبیین ہونا ہے۔ پوری انسانیت آپ ﷺ کی امت اور آپ ﷺ پوری انسانیت کے لئے بشیر ونذیر بنا کر مبعوث فرمائے گئے۔ اس ابدی حقیقت کی وضاحت قرآن کریم کی اس آیت میں بہ تمام وکمال کردی گئی، ارشاد ربانی ہے:

وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیراً ونذیراً (۷۰) اور ہم نے آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی آفاقیت اور عالمگیریت کی وضاحت کے حوالے سے ارشادِ ربانی ہے:

قل یا ایھآ الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعاً۔ (۷۱)

"کہہ دیجئے! اے لوگو! میں تم سب لوگوں کی طرف اللہ کا پیغام دے کر بھیجا گیا ہوں۔"

پوری کائنات اور تہذیب انسانیت کو آپ ﷺ کے ابدی اور مثالی پیغام کا مخاطب اور آپ ﷺ کی دعوت وتبلیغ کے زیر اثر بھیجے جانے کے حوالے سے ارشاد ہوا: تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیراً (۷۲) برکت والا وہ اللہ، جس نے حق وباطل میں امتیاز کرنے والی کتاب اپنے بندے ﷺ پر نازل کی تاکہ وہ دنیا جہان کے لئے ہوشیار آگاہ کرنے والا ہو۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: بعثت الی الأحمر والاسود (۷۳)

میں کالے اور گورے (مشرق ومغرب) تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے اپنی پیغمبرانہ خصوصیت کے حوالے سے ارشاد فرمایا: اما انا فارسلت الی الناس کلھم، خاصة وکان من قبلی انما یرسل الی قومه(۷۴) "میں (عمومیت کے ساتھ) تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں، حالانکہ مجھ سے پہلے جو نبی مبعوث ہوئے وہ خاص اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے۔" رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے: عن جابر بن عبدالله قال: کان النبی ﷺ یبعث الی قومه خاصة و بعثت الی الناس عامة(۷۵)

"پہلے ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کئے جاتے تھے، اور میں تمام انسانوں کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔" چنانچہ اسلام نہ صرف دورِ جدید بلکہ ہر زمانے اور ہر دور کے مسائل کا حل تلاش کرتا اور ہر دور کی ضروریات کو پورا کرسکتا ہے۔ یہ دیگر تہذیبوں کی طرح مادی زندگی اور دنیوی مسائل سے صرف نظر کرتا ہے اور نہ دورِ جدید کی مادیت کی طرف مادی پہلوؤں کو دوسرے پہلوؤں پر حاوی اور غالب کرتا ہے۔ یہ انسان میں جذبہ پیدا کرتا ہے کہ زندگی اور زندگی کا مقصد بہت اعلیٰ ہے۔ وحی الٰہی نے آپ ﷺ کی زبان اطہر سے پوری انسانیت اور عالمی تہذیب کے لئے یہ ابدی اور تاریخ ساز اعلان کرایا کہ:

> الیوم اکملت لیکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم اسلام دینا(۷۶) "آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین (تہذیب) مکمل کردیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کردیں اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین (تہذیب) پسند کیا۔"

مسلم دنیا کے نامور محقق اور مذہبی اسکالر علامہ یوسف قرضاوی دورِ جدید میں اسلام کی عظمت اور ایک کامل و مکمل دین اور ابدی ضابطۂ حیات کی حیثیت سے اپنے مقالے المبشرات بانتصار المسلمین میں اسلام اور مسلم امہ کے مستقبل کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اگر اُنیسویں صدی سرمایہ داری کی صدی تھی اور بیسویں صدی اشتراکیت کی تو اکیسویں صدی اسلامی تہذیب وثقافت کی صدی ہوگی۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اُنیسویں صدی مسیحیت کی صدی تھی اور بیسویں صدی یہودیت کی صدی تھی۔ تو اکیسویں صدی اسلام کی صدی ہوگی۔ آج پوری دنیا میں عدم توازن کے باعث ہر سطح پر فساد اور بگاڑ پھیلا ہوا ہے، دنیائے انسانیت کو اس

بگاڑ اور فساد سے نجات کے لئے ایک متوازن اور صالح نظام کی ضرورت ہے جو صرف اور صرف اسلام کے پاس ہے'' اسلام امن وسلامتی اور رواداری کا دین ہے۔ یہ وہ تہذیب ہے جس کے چشمہ صافی سے محبت و ہمدردی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ (۷۷) معروف غیر مسلم دانشور جارج برنارڈ شا لکھتا ہے: ''میری خواہش ہے کہ اس صدی کے آخر تک برطانوی ایمپائر کو حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات مجموعی طور پر اپنا لینی چاہئیں۔ انسانی زندگی کے حوالے سے محمد ﷺ کی تعلیمات سے احتراز ممکن نہیں۔'' (۷۸)

بعثت نبوی کے وقت عالمگیر تہذیبی ثقافتی انتشار اور مذہبی تنگ نظری، تحقیقی اور تقابلی جائزہ:

''محسن انسانیت ﷺ کا ظہور ایسے حالات میں ہوا، جب کہ انسانیت تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی، کہیں دور وحشت تھا اور کہیں شرک اور بت پرستی کی لعنتوں نے مدنیت کا ستیاناس کر رکھا تھا۔ مصر اور ہندوستان، بابل اور نینوا، یونان اور چین میں تہذیب اپنی شمعیں گل کر چکی تھی۔ رومی اور ایرانی تمدنوں کی ظاہری چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرنے والی تھی۔ مگر ان شیش محلوں کے اندر بدترین مظالم کا دور دورہ تھا اور زندگی کے زخموں سے تعفن اٹھ رہا تھا۔ خود (اس دور کی دو بڑی عالمی طاقتوں) روم و ایران کے درمیان مسلسل آویزش کا چکر چلتا تھا اور مختلف علاقے کبھی ایک حکومت کے قبضے میں جاتے اور کبھی دوسری سلطنت ان کو نگل لیتی، لیکن ہر بار فاتح قوت عوام کے کسی طبقے کو خوب اچھی طرح پامال کرتی۔ مثلاً رومی حکومت آتی تو آتش کدے کلیسا بن جاتے اور ایرانی راج چھا جاتا تو پھر کلیسا آتش کدے بن جاتے۔ دنیا کے اکثر حصوں میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔'' (۷۹)

چھٹی صدی عیسوی کی ابتداء میں دنیا کے نقشے پر صرف دو ہی طاقتور تہذیبیں تھیں۔ مذہبی اعتبار سے روم عیسائیت اور ایران مجوسیت کا نمائندہ تھے۔ اسلام کا جس وقت ظہور ہوا یہ دونوں طاقتیں ایک دوسرے سے برسرپیکار تھیں، تاریخ شاہد ہے کہ جب ایران نے ۶۱۵ء میں بیت المقدس کو فتح کیا تو سینٹ ہلنا اور قسطنطین کے عظیم الشان کنیسوں کو آگ لگادی، ۹۰ ہزار عیسائیوں کو قتل کر دیا۔ ان معبدوں میں موجود قیمتی اشیاء کو لوٹ لیا (۸۰) خسرو پرویز نے ایران میں رہنے والے عیسائیوں کو آتش پرستی پر مجبور کیا۔ (۸۱) ایران کا رویہ اپنی مسیحی رعایا سے ہمیشہ سے ظالمانہ

رہا۔ ۳۳۹ء میں شاپور ذوالاکتاف نے بشپ مارشمیوں اور ۱۰۵ دوسرے پادریوں کو قتل کیا اور بہت سے مسیحی کینساؤں اور صومعوں کو منہدم کر دیا۔(۸۲) بالکل یہی سلوک ہرقل نے ایرانی مجوسیوں کے ساتھ کیا۔ اس نے ایران میں کئی آتش کدوں کو مسمار کر دیا، زرتشت کے وطن ارمیاہ کو نیست و نابود کر دیا اور مجوسی مذہب کو ختم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ جب فتوحات روم کا دائرہ وسیع ہوا تو اتنی کثرت سے ایران سے اسیرانِ جنگ آئے کہ ان کی تعداد چھ کروڑ تک پہنچ گئی۔(۸۳) اسیرانِ جنگ کو قید کر دینا آگ میں جلا دینا، ایک دوسرے کو تلواروں سے کٹوا دینا، اس وقت کے حکمرانوں کا محبوب مشغلہ تھا۔(۸۴) اسی طرح جب شاپور نے بحرین اور الحساء کو فتح کیا تو تمام عربوں کو گرفتار کر لیا گیا اور ان کے کندھوں میں سوراخ کر کے باندھ دیا گیا۔ اسی وجہ سے یہ شخص شاپور ذوالاکتاف کے نام سے تاریخ میں مشہور ہوا۔ ان مذکورہ بالا تاریخی شواہد سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ جس وقت اسلام کا ظہور ہوا اس وقت کی متمدن دنیا میں تہذیب و ثقافت اور انسانی حقوق نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ اسی طرح یورپی اقوام نے جب مشرق و مغرب میں اپنی فتوحات کو پھیلایا تو وہاں کے عوام کے ساتھ جس طرح پیش آئے اور ان پر جس طرح ظلم وستم روا رکھا، وہ تہذیب انسانی کی تاریخ میں مذہبی تعصب، تنگ نظری اور انتہا پسندی کا سیاہ ترین باب ہے۔(۸۵) سرزمین عرب کا قریب ترین ماحول جو حضور ﷺ کا اولین میدانِ کار بنا، اس کا تصور کیجئے تو دل دہل جاتا ہے، عرب پر دورِ وحشت کی تاریک رات چھائی ہوئی تھی، تہذیب و تمدن کی صبح ابھی جلوہ گر نہیں ہوئی تھی، اور انسانیت نیند سے بیدار نہ ہوئی تھی، ہر طرف ایک انتشار تھا، انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد ﷺ عظیم ترین تبدیلی تہذیب و تمدن و ثقافت کا پیغام لے کر اٹھتے ہیں اور ایک عظیم انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔۔ قرآن کریم نے اسے فرمایا:

وکنتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم منھا۔ (۸۶) تم آگ کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے بچا لیا''

سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن کریم نے یہودیوں اور عیسائیوں کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ:

وقالت الیھود والنصاریٰ نحن ابناء اللّٰہ واحبآؤہ(۸۷) ہم خدا کی لاڈلی اور چہیتی اولاد ہیں،

اور ایک موقع پر یہودیوں اور عیسائیوں (جو درحقیقت آسمانی مذاہب ہونے کے دعویدار تھے) کے متعلق قرآن کریم نے ذکر کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے، چنانچہ ان کا کہنا تھا:

وقالت الیھود لیست النصاری علی شئی وقالت النصاری لیست الیھود علی شئی۔ (۸۸)

فراعنہ مصر اپنے آپ کو سورج دیوتا کا اوتار کہتے تھے، ہندوستان میں سورخ بنسی اور چندر بنسی خاندان موجود تھے۔ شاہانِ ایران جن کا لقب کسریٰ (خسرو) ہوا کرتا تھا، ان کا دعویٰ تھا کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہل ایران انہیں اسی نظر سے دیکھتے تھے، چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے۔ (۸۹) جب کہ عہد جاہلیت کے عربوں کا یہ نظریہ تھا کہ ہم چونکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد، حرم مکہ کے مجاور و پاسبان، بیت اللہ کے نگہبان اور مکے کے باشندے ہیں، لہٰذا بنی نوع انسان کا کوئی فرد ہمارا ہم مرتبہ نہیں اور نہ کسی کے حقوق ہمارے حقوق کے مساوی ہیں۔ (۹۰) غرض اس زمانے میں جدھر بھی دیکھو، دنیا میں تباہی اور فتنہ وفساد ہی تھا، کسی جگہ بلند نظرانہ عالی ہمتی اور دردمندانہ انسانیت پروری نظر ہی نہ آتی تھی۔ ضرورت تھی کہ پوری دنیا کو اب جھنجھوڑ کر یاد دلایا جائے کہ وہ سب ایک ہی آدم کی اولاد ہیں۔ (۹۱) جے ایچ ڈینی سن رقمطراز ہے: "پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مہذب دنیا افراتفری کے دہانے پر کھڑی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چار ہزار سال کی مدت میں جس تہذیب نے بال و پر نکالے تھے وہ منتشر ہونے والی ہے اور انسان پھر اسی بربریت کی جانب لوٹ جانے والا ہے، جس میں ہر قبیلہ اور فرقہ ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرا ہو جائے اور امن وامان معدوم ہو جائے۔ (۹۲) قرآن کریم نے فرمایا:

ظھر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس. (۹۳)

کہہ کر اس عہد میں دنیا کی تمدنی، معاشرتی اور مذہبی حالت کی نشان دہی کی ہے۔

زمانہ جاہلیت کا عرب معاشرہ اور تہذیبی و ثقافتی عصبیت و مذہبی تنگ نظری: اسلام کی آمد اور بعثت نبوی ﷺ کے وقت عرب معاشرہ تہذیبی انتشار و تنگ نظری اور انتہا پسندی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ چنانچہ عہد جاہلیت میں طبقاتی تقسیم، نسلی تفاخر اور نسبی عصبیت انسانی تاریخ کے عروج پر تھی، جہاں تعصب اور تنگ نظری

کے نتیجے میں انسانیت کو ناقابل عبور خطوط پر تقسیم کر دیا گیا تھا، انسانی عدم مساوات کا یہ نظریہ عملاً مذہبی تہذیبی، معاشرتی اور مذہبی معاملات پر بھی لاگو ہوتا تھا۔ مذہبی انتہاپسندی کے حوالے سے مشرکین مکہ کا یہ نظریہ تھا کہ چونکہ ہم حضرت ابراہیمؑ کی اولاد، لہٰذا بنی نوع انسان کا کوئی فرد ہمارا ہم مرتبہ نہیں اور نہ کسی کے حقوق ہمارے حقوق کے مساوی ہیں۔ چنانچہ دورانِ حج ارکان کی ادائیگی کے لئے یہ لوگ عرفات نہیں جاتے تھے، بلکہ مزدلفہ میں ٹھہر کر افاضہ کرلیا کرتے تھے۔(۹۴) حج کے بعض مناسک میں قریش عام حجاج سے منفرد اور ممتاز رہتے تھے، وہ عرفات میں عام حجاج کے ساتھ ٹھہرنا ہی باعث عار سمجھتے تھے۔(۹۵) تعصب و تنگ نظری اور بدتہذیبی و انتہاپسندی کا یہ عالم تھا کہ عرب اپنی بیٹیوں کا نکاح عجمیوں سے نہیں کرتے تھے، اگر کوئی عرب کسی عجمی عورت سے نکاح کر لیتا تو اس سے پیدا ہونے والی اولاد کو کم حیثیت اور کم مرتبہ سمجھا جاتا تھا۔(۹۶)

اسلام سے قبل عرب جاہلیت کی بدتہذیبی اور انتہاپسندی کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اہل مکہ کی کوئی مرکزی تنظیم نہ تھی، ان کی تہذیب و تمدن کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ معمولی بات پر جنگ شروع ہوتی اور نسل در نسل جاری رہتی۔ عرب محقق جرجی زیدان کے مطابق عہد جاہلیت کی خوں ریز، وحشیانہ اور طویل ترین جنگ کی تاریخ چوتھی صدی عیسوی کے وسط سے شروع ہوتی ہے اور رسالت مآب ﷺ کی بعثت چھٹی صدی عیسوی کے اوائل تک جاری رہتی ہے۔(۹۷) ایک عرب سردار اس تہذیب و تمدن کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتا ہے کہ: طویل جنگوں میں دونوں قبیلے مٹ گئے، ماؤں نے اپنی اولاد کھودیں، بچے یتیم ہوگئے، آنسو خشک نہیں ہوتے، لاشیں دفن نہیں کی جاتیں۔(۹۸) مردوں کے ہاتھ، پاؤں، کان، ناک وغیرہ کاٹ لیتے تھے۔(۹۹) امراؤ القیس نے اپنے والد حجر کے قتل کے انتقام کے جذبے کے تحت قاتلوں کے ناک کان کاٹ ڈالے، اوران کی آنکھوں میں گرم لوہے کی سلائیاں پھروادیں، زرہوں کو آگ میں تپا کر انہیں پہنا دیا۔(۱۰۰)

یہودی تہذیب و ثقافت کی انتہاپسندی اور مذہبی تنگ نظری: قرآن کریم نے یہودیوں سے کہا: ولا تکونوا اول کافر بہ:(۱۰۱)''اور سب سے پہلے تم ہی پیغام الٰہی کے منکر نہ بنو۔'' مگر یہ قوم سخت جان ہونے کے ساتھ ساتھ سخت دل بھی ثابت ہوئی، اس نے مختلف زمانوں میں اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا، ان کو تکلیفیں دیں، بلکہ ان کو قتل تک کر ڈالا، حضرت موسیٰ اور ان کے عہد میں کوئی پیغمبر ایسا نہ ہوگا جس

نے ان کی سنگ دلی کا ماتم نہ کیا ہو اور ان کی سرکشی پر ان کے حق میں بددعا نہ کی ہو۔ ان کی انتہاپسندی، بدتہذیبی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے انبیاء کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا قرآن کریم نے فرمایا:

ویقتلون النبیین بغیر الحق، ذلک بما عصوا و کانوا یعتدون(۱۰۲)

"اور وہ ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے ہیں، اس لئے کہ وہ نافرمان اور حد سے بڑھنے والے ہیں۔"

سورۃ ال عمران میں فرمایا: "میں اس سے بھی بڑھ کر ہر حق کے داعی اور خیر کے مبلغ کے قتل کر دینے کا الزام بھی ان پر بجا ہے:

ان الذین یکفرون بایت اللّٰہ ویقتلون النبیین بغیر حق و یقتلون الذین یامرون بالقسط من الناس فبشرھم بعذابٍ الیم(۱۰۳)

"بے شک وہ لوگ جو اللہ کے آیتوں کا انکار کرتے اور پیغمبروں کا ناحق قتل کرتے اور ہر اس شخص کی زندگی کے دشمن بن جاتے ہیں، جو ان کو انصاف اور نیکی کا حکم دیتے ہیں، تو انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے۔" سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران میں یہودیوں کے تہذیبی و ثقافتی انتہاپسندی اور ان کے ایک ایک عیب کو کھل کر بیان کیا گیا ہے۔ ان کے مذہبی تعصب، تنگ نظری اور انتہاپسندی کا سب سے دردناک سانحہ وہ ہے جو اسلام سے پچاس یا ساٹھ برس پہلے یمن میں پیش آیا کہ یہودیوں نے نجران کے عیسائیوں کو گڑھوں میں آگ جلا کر ان میں جھونک دیا۔ قرآن کریم نے اس بدتہذیبی اور مذہبی انتہاپسندی کو ان لفظوں میں بیان فرمایا کہ:

قتل اصحب الاخدود النار ذات الوقود اذھم علیھا قعود و ھم علی مایفعلون بالمومنین شھود و مانقموا منھم الا ان یومنوا باللّٰہ العزیز الحمید (۱۰۴)

"گڑھے والے لوگ مارے گئے، بھڑکتی آگ کے گڑھے جب وہ ظالم ان کے کنارے بیٹھے ایمان والوں کے ساتھ جو کر رہے تھے، اسے دیکھ رہے تھے، ان کا گناہ یہی تھا کہ وہ غالب اور خوبیوں والے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے۔" بعثت نبوی ﷺ کے وقت یہودی تہذیب کی انتہاپسندی اور مذہبی تعصب و تنگ نظری اس درجے عروج پر تھی کہ وہ ایک دوسرے کے وجود تک کو برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔ آپس میں قتل و خوں ریزی کا بازار ان میں گرم تھا۔ ایک طاقت ور

قبیلہ دوسرے کم زور قبیلے کو قتل اور بے گھر کر دیتا تھا۔(۱۰۵) قرآن کریم نے ان کے متعلق اس طرح بیان فرمایا کہ:

ثم انتم هو لا تقتلون انفسكم و تخرجون فريقا منكم من ديارهم تظاهرون عليهم بالاثم والعدون۔(۱۰۶)

پھر تم ہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے اور ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو، ان کے برخلاف گناہ اور ظلم سے مدد کرتے ہو۔

ان باتوں کے باوجود انہیں اپنی تہذیب پر اتنا زعم تھا اور مذہبی انتہاپسندی میں وہ اتنا آگے تھے کہ انبیاء کی اولاد ہونے کے ناطے وہ یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ:

نحن ابن الله واحباره(۱۰۷) ''ہم اللہ کے بیٹے اور ان کے پسندیدہ ہیں۔''

ساتھ ہی انہیں دعویٰ بھی تھا کہ: **وقالو الن تمسنا النار الا ایاماً معدودة۔(۱۰۸)**

اورانھوں نے کہا کہ ہمیں دوزخ کی آگ ہرگز نہیں چھوئے گی لیکن چندروز۔

علاوہ ازیں ''تورات'' میں مذہبی انتہاپسندی کے حوالے سے جو تعلیمات ملتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:(۱۰۹) ان قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے۔ کسی چیز کو جو سانس لیتی ہو جیتا نہ چھوڑیو۔(۱۱۰) ان پر رحم مت کر، بلکہ مرد اور عورت اور ننھے بچے اور شیر خوار، بیل، بھیڑ اور اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر۔(۱۱۱)

عیسائی تہذیب و ثقافت کی انتہاپسندی اور مذہبی تنگ نظری: بعثت نبوی ﷺ کے وقت عیسائی مختلف فرقوں اور گرہوں میں تقسیم تھے، چنانچہ پانچویں صدی عیسوی کے اوائل میں خود عیسائیوں کے دو گروہوں کے درمیان ایک عظیم مذہبی جنگ چھڑی جس میں ۶۵۰۰۰ عیسائیوں کو جلاوطن ہونا پڑا۔ عیسائی پادریوں کے سقف اعظم سینٹ سرل نے مذہبی تعصب و تنگ نظری اور انتہاپسندی کے نتیجے میں ایک مرتبہ اس نے اپنے مریدوں کو ہمراہ لے کر غیر مسلح یہودیوں پر حملہ کیا اور ان سب کو جلاوطن کر دیا، ان کی عبادت گاہیں زمیں بوس کر دی گئیں۔ یہ واقعات ایسے ہیں جن کے ذکر سے آج بھی قلم لرزتا ہے۔ مگر عیسائی تہذیب کے علمبرداروں کے نزدیک یہ سب سے روشن کارنامے ہیں۔(۱۱۲) یہی حالت ان تمام ملکوں کی تھی، جہاں رومیوں کے زیر سایہ عیسوی مذہب پھیلا تھا۔ یعقوبی، نسطوری اور دیگر عیسائی

فرقے جو سرکاری عیسوی مذہب سے الگ تھے، وہ دور دراز علاقوں میں پناہ ڈھونڈنے پر مجبور تھے۔(۱۱۳)

پانچویں صدی عیسوی میں چرچ کا مشن تھا کہ جہاں جہاں اس کے پاس سیاسی قوت موجود ہے، یعنی مغرب اور مشرق دونوں جگہ وہاں دوسرے مذاہب اور عقائد کا خاتمہ کردیا جائے۔ ۴۵۳ء میں آیک قانون کے تحت جو لوگ عیسائی نہیں تھے، ان کی اور منحرفین کی جائیدادیں ضبط کرلی گئیں، سزاؤں میں موت کی سزا تجویز ہوئی کہ جس میں انہیں مصلوب کیا جاتا تھا، یا جانوروں کے آگے ڈال دیا جاتا تھا۔(۱۱۴) جسٹنین کے عہد میں تہذیبی انتہاپسندی کا یہ عالم تھا کہ اپنے عقیدے کے مخالفین کو مار ڈالنا کوئی جرم نہیں سمجھا جاتا تھا۔(۱۱۵) ۶۳۰ء میں ہرقل نے عیسائی پادریوں اور مذہبی رہنماؤں کے ایما پر یہودیوں سے انتقامی جذبے کے تحت بدترین انتقام لیا اور یہودی مفتوحین کا اس طرح قتل عام کیا کہ رومی مملکت میں صرف وہ یہودی بچ سکے جو ملک چھوڑ کر چلے گئے یا کہیں چھپے رہے۔(۱۱۶) ۶۱۰ء میں شہنشاہ فوقاس نے یہودیوں کی سرکوبی کے لئے انطاکیہ میں مشہور فوجی افسر ابنوسوس کو بھیجا، اس نے پوری یہودی آبادی کا اس طرح خاتمہ کیا کہ ہزاروں کو تلواروں سے، سینکڑوں کو دریا میں غرق کرکے، آگ میں جلا کر اور درندوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کردیا۔(۱۱۷)

ہندوتہذیب و ثقافت کی انتہاپسندی اور مذہبی تنگ نظری: ہندومت کی تہذیبی تعلیمات کی بنیاد ''وید'' اپنے مخالفین اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو صفحہ ہستی سے مٹادینے کی تعلیم دیتی ہیں۔ چنانچہ ہندوؤں کی مقدس کتاب ''یجروید'' کی تعلیم یہ ہے: ☆ دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلادو۔(۱۱۸) ☆ اپنے مخالفوں کو درندوں سے پھڑواڈالو۔(۱۱۹) ☆ جس طرح بلی چوہے کو تڑپا کر مارتی ہے، اس طرح ان کو تڑپا کر مارو۔ ان کی گردنیں کاٹ دو۔ مخالفوں کا جوڑ جوڑ اور بند بند کاٹ دیا جائے۔(۱۲۰) ہندومت دیگر مذاہب سے کس قسم کا رویہ اپنانے کی تعلیم دیتا ہے اور ان کے دھرم میں دیگر مذاہب کے حوالے سے مذہبی انتہاپسندی کا کیا نظریہ ہے، ملاحظہ کیجئے: ''منوشاستر ہندوؤں کی مذہبی اور قانونی دستاویز ہے، جسے درجہ استناد حاصل ہے،(۱۲۱) اس میں تحریر ہے: ''قادرِ مطلق نے دنیا کی بہبود کے لئے برہمن کو اپنے منہ سے، کھشتری کو اپنے بازوؤں سے، ویش کو اپنی رانوں سے اور شودر کو

اپنے پیروں سے پیدا کیا ہے۔(۱۲۲) چنانچہ طے پایا کہ اگر کوئی شودر ''وید'' پڑھے تو اس کی زبان کاٹ ڈالی جائے گی، اگر وہ منتروں کو سن لے تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے، اگر کوئی شودر منتروں کو زبانی یاد کرلے تو اسے مار مار کر اس کے ٹکڑے کردیئے جائیں۔(۱۲۳)

بدھ مت کی تہذیبی و ثقافتی تعصب و تنگ نظری: بدھ مت کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ رہبانیت، تجرد، نفس کشی اور ترک دنیا کو اختیار کیا جائے۔ وہ زندگی کے محض تاریک پہلوؤں پر اپنی نظر مرکوز رکھتے ہیں۔ بدھ مت کے بانی گوتم بدھ نے اپنے پیرو کاروں کو یہ فلسفہ حیات دیا کہ زندگی مصیبت ہے اور خواہش اس مصیبت کا سبب ہے۔ لہٰذا ''نروان'' یا نجات کا راز فنا ترک دنیا اور رہبانیت میں مضمر ہے۔ جس کے لئے خواہش احساس اور شعور کو پوری طرح مٹا دینا ضروری ہے۔(۱۲۴) اس تعلیم سے واضح ہے کہ بدھ زندگی کے مسائل کا مردانہ وار مقابلہ نہیں کرنا چاہتے، کشمکش اور انقلاب سے نہیں گزرنا چاہتے، انسانی زندگی کے لئے کوئی اعلیٰ نصب العین مقرر کرکے اس کی خاطر کاوش اور جدوجہد کو اپنا شعار نہیں بنانا چاہتے۔(۱۲۵) بدھ مت میں غلو اور انتہا پسندی ہے جو رہبانیت اور تجرد کی تعلیم دیتی ہے اور یہ عمل درحقیقت فطرت کی تعلیمات سے انحراف اور اعلان بغاوت ہے۔ لہٰذا جو مذہب ان جذبات کو فنا کرنے کی تعلیم دے، وہ فطری مذہب نہیں ہوسکتا۔

زرتشتی تہذیب و ثقافت کی عصبیت اور تنگ نظری:

روایت کے مطابق زرتشتی مذہب کے بانی زرتشت نے جوانی کی عمر میں قدم رکھتے ہی اپنے آپ کو خدمت خلق کے لئے وقف کردیا تھا۔ تاہم بعد ازاں ان کے پیروکاروں نے جن کی اکثریت ایران (فارس) میں مقیم تھی، مذہبی انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے زیر قبضہ عیسائیوں پر بدترین مظالم ڈھائے۔ خسرو پرویز نے اپنی پے در پے فتوحات کے باعث مغرور ہوکر عیسائیت کے خلاف مقدس جنگ کا اعلان کیا۔ چھبیس ہزار یہودی اس کی فوج میں شامل ہوگئے۔ ۶۱۴ء میں ایران اور یہودیوں کے متحدہ لشکر نے یروشلم پر حملہ کردیا اور نوے ہزار عیسائیوں کو تہ تیغ کردیا۔ پورے شہر کو بڑی بے دردی سے لوٹا، یروشلم کے بہت سے کلیسا جن میں ''کلیسۃ القیامہ'' بھی شامل تھا، ان کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنادیا گیا اور وہ اصل صلیب جو عیسائی دنیا کی مقدس ترین ہے، ایرانی اسے بھی اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے۔(۱۲۶)

بعدازاں زرتشت کے پروکاروں کی جانب سے تاریخ کے مختلف ادوار میں عیسائیوں کو بے دریغ قتل کیا جاتا رہا۔ ان کے کلیساؤں کو تباہ و برباد کیا جاتا رہا۔ راہب مردوں اور راہبہ عورتوں کو خصوصیت کے ساتھ اذیت ناک سزائیں دی جاتیں۔(۱۲۷) جو لوگ عیسائیت قبول کرتے، ان پر ظلم و ستم کی انتہا کردی جاتی اور انہیں ایسی سنگین نوعیت کی سزائیں دی جاتی جن کے ذکر سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کبھی کانوں اور آنکھوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا تھا اور کبھی زبان کھینچ کر نکال لی جاتی تھی۔ بعض اوقات پیشانی سے تھوڑی تک چہرے کی کھال اتار لی جاتی تھی۔ ان کی آنکھیں اور باقی جسم میں سلاخیں چبھوئی جاتی تھیں۔(۱۲۸)

بین التہذیبی و بین الثقافتی تقارب و ہم آہنگی کا تصور قرآن و حدیث کی روشنی میں: اسلام پوری انسانیت کا مذہب ہے، مسلمان تو انسانیت کے اس حصے کو کہتے ہیں جو اسلام کی دعوت قبول کرلیتا ہے۔ یہ کسی گروہ، نسل خاندان، قبیلے یا قوم کا نام نہیں، یہ پیغام تو سب کے لئے ہے، اسے کوئی بھی اختیار کرسکتا ہے، اور اس عالمگیر برادری کا حصہ بن سکتا ہے، جس میں شمولیت کے لئے نہ کسی زبان کی قید ہے، نہ علاقے کی، اور نہ رنگ و نسل کی، شرط صرف یہ ہے کہ کہہ دو، **قولو الا الہ الا اللّٰہ تفلحو:** کامیاب ہو جاؤ گے۔(۱۲۹) نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔(۱۳۰) اس لئے آپ ﷺ کی ہدایت پوری انسانیت کے لئے ہے اور آپ ﷺ تمام انسانوں کی بلکہ تمام مخلوق کی تہذیب و ثقافت پر مشتمل سنہری اصول اور خیر خواہی فرماتے ہیں، اور ان کے لئے ہدایات فرماتے ہیں، چند ارشادات پیش کئے بغیر آگے بڑھنا مناسب نہیں: ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اس کے نزدیک سب سے پسندیدہ مخلوق وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ نیکی کرے۔(۱۳۱) ایک دوسرے سے تعلقات منقطع نہ کرو، ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو، ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو اور ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، اور خدا کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔(۱۳۲)

ارحموا من فی الارض یرحکم من فی السماء (۱۳۳) تم لوگ زمین پر رہنے والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

من لم یرحم الناس لایرحمہ اللّٰہ۔ (۱۳۴) جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اس پر

اللہ بھی رحم نہیں کرتا۔ لایومن احدکم حتی یحب للناس مایحب لنفسه و حتی المرء ولا یجده الا اللہ (۱۳۵) ”تم میں کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک دوسروں کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔ اور جب آدمی کسی کو دوست رکھے تو اللہ کے لئے ہی دوست رکھے۔“

تھذیبی و ثقافتی تقارب و ہم آھنگی کے لئے ایک اور صلح حدیبیہ کی ضرورت: آپ ﷺ نے نہ صرف مسلمانوں کے تحفظ کے لئے بلکہ عالمگیر اور ہمہ گیر امن واتحاد کے لئے ایسے معاہدات کئے جن میں ہر شخص کو رائے اور ضمیر کی مکمل آزادی کے ساتھ فیصلہ کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔ اس طرح سیرت مقدسہ کا یہ پہلو بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے، اور پوری دنیا کے لئے رہنما اصول کا کام دیتا ہے۔ (۱۳۶) عیسائیوں اور یہودیوں کے متعلق جو رویہ مسلمانوں کا رہا ہے اس کے متعلق تین واقعات خاص طور پر قابل ذکر ہیں، آنحضرت محمد ﷺ کا مدینے کے یہود سے معاہدہ کرنا، نجران کے عیسائیوں کو آزادی کا منشور دینا اور فلسطین کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ کی جانب سے ایلیا کے باشندوں کو آزادی کا منشور پیش کرنا۔ اسی طرح آذربائیجان، جرجان اور مدائن کے شہریوں کو جو امان نامے حضرت عمرؓ نے دیئے وہ بھی ایسے ہی تھے تاہم اس میں انہی قوانین کی حفاظت اور ان کے مطابق زندگی بسر کرنے اور ان کے مقدمات کے فیصلہ کرنے کی آزادی بھی شامل تھی۔ (۱۳۷)

اعتدال پسند مسلمانوں کی رائے میں اس وقت صلح حدیبیہ کی طرح کسی معاہدے کی ضرورت ہے جس کا اہتمام رسول اللہ ﷺ نے مدینہ ہجرت کے چھ سال کے بعد مکہ کے جنوب میں حدیبیہ کے مقام پر کیا تھا۔ اگرچہ یہ معاہدہ سخت اور ہتک آمیز تصور کیا گیا اور مسلمانوں نے برا منایا اس کا، مگر آپ ﷺ نے تحمل اور اعتدال پسندی کی مثال قائم کی۔ شروع میں حضرت عمر بن الخطاب سمیت بہت سے مسلمانوں نے اس پر بے چینی کا اظہار کیا، مگر بالاخر یہ مسلمانوں کے لئے بے حد مفید ثابت ہوا اور اس سے رسول اللہ ﷺ کی عمیق سیاسی دانائی تدبر اور دوراندیشی بھی ثابت ہوگئی۔ ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کو امن کی ضرورت ہے۔ انہیں رضوان کی طرح ایک بیعت اپنے آپ سے کرنے کی ضرورت ہے، انہیں امت کی فلاح کے لئے قربانی دینی ہوگی اور اپنے پرامن مقاصد کے بارے میں اپنے اثباتی اقدامات کے ذریعے مغرب کو یقین دہانیاں کرانی ہوں

گی امن کو یقینی بنانا ہوگا اور خود کو ایک دوسرے کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کرنا ہوگا۔(۱۳۸) قرآن کریم میں ۲۵ سے زائد مقامات پر پوری شدت کے ساتھ معاہدات کو پورا کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔اس پر بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔(۱۳۹)

آپ ﷺ نے میثاق مدینہ کے نام سے جو معاہدہ کیا وہ یہودیوں کے ساتھ رواداری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ سن ۷ھ میں وصال سے صرف تین سال پہلے آنحضرت ﷺ نے قسطنطنیہ، مصر اور حبش کے عیسائی حکمرانوں کے نام جو تبلیغی خطوط بھیجے، اس میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت لکھی گئی جس کا ترجمہ پیش خدمت ہے: ''آپ ﷺ کہہ دیں! اے الہامی کتاب کے ماننے والو آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ مانیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم اللہ کو چھوڑ کر اپنے ہی میں سے کسی کو رب نہ بنالیں۔ اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو اس پر سر تسلیم خم کر چکے۔'' (۱۴۰) ڈاکٹر حمید اللہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ان آیات میں اسلام نے مذاہب عالم کو دعوت دی اور آج بھی وہ دعوت باقی ہے کہ اپنے ہاں کے اصل پر رجوع کرو۔ بعد کے زمانے کے حذف واضافے سے باز آجاؤ اور توحید، قیامت اور عمل صالح کے صابہ الاشتراک امر پر انضمام نہیں تو وفاق کرلو۔ اس طرح مذہبی تعصب سے انسان کو نجات مل جاتی ہے اور ''لا اکراہ فی الدین'' دین میں کوئی جبر نہیں۔ ایک ایسا سنہری اصول ہے جو اس سے قبل سنا ہی نہیں گیا تھا۔(۱۴۲)۔

اسلامی تہذیب کے عناصر: تہذیب اور اس کی حقیقی روح کو جاننے کے لئے از حد ضروری ہے کہ ہم اس کے عناصر ترکیبی کا جائزہ لیں جو درج ذیل پانچ عناصر پر مشتمل ہیں:
۱۔ کسی بھی تہذیب کا پہلا عنصر یہ ہے کہ اس کا ''دنیوی زندگی کے متعلق کیا تصور ہے، وہ اس دنیا میں انسان کو کیا مقام دیتی ہے، کائنات اور انسان کا باہمی تعلق کیا ہے۔ ۲۔ انسانی زندگی کا کیا مقصد ہے، اور وہ کون سی منزل ہے جس کے لئے انسان کو کوشش کرنی چاہئے۔ ۳۔ اس تہذیب کی بنیاد کن عقائد وافکار پر ہے اور وہ افکار اور عقائد انسانی زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ ۴۔ وہ تہذیب سوسائٹی کے افراد کو کن اخلاق کا حامل بنانا چاہتی اور کن کن اخلاق سے بچنے کی ہدایت کرتی ہے۔ ۵۔ اس تہذیب کا اجتماعی نظام کیا ہے اجتماعی نظام ایک فرد کی زندگی سے لے کر بین الاقوامی زندگی پر پھیلا ہوا ہے۔

اسلامی تہذیب کا دیگر الہامی و غیر الہامی مذاہب کی تہذیب سے موازنہ

پہلا عنصر: انسان کا مقام اور اس کا تعلق کائنات سے:

اسلام جس تہذیب و ثقافت کا علمبردار ہے اس میں انسان کو ایسا ارفع مقام دیتا ہے جو کسی دوسری تہذیب نے نہیں دیا، اسلامی تہذیب مربوط ہے جبکہ عیسائیت یہودیت غیر مربوط ہیں، کیونکہ عیسائیت انسان کو پیدائشی گناہگار قرار دیتی ہے اور وہ اس وقت تک پاک نہیں ہوسکتا جب تک کفارہ پر ایمان نہ لائے۔ عیسائیت کی آغوش میں جو بھی تہذیب پرورش پائے گی اس میں انسان ایک گھٹیا مقام پر کھڑا ہوگا۔ ''ہندومت'' ذات پات کا قائل ہے اور شودر کو سوسائٹی میں وہ حق دینے کو تیار نہیں جو برہمن کو حاصل ہے۔ اس ذات پات کے بطن سے جو بھی تہذیب جنم لے گی وہ نسل انسانی میں پیدائشی تفریق پیدا کر دے گی، اور مساوات، محبت، اتحاد، اور رواداری کو ختم کر دے گی۔ پھر کوئی مذہب بھی کائنات کو انسان کا خادم قرار نہیں دیتا، بلکہ انسان کو کائنات کے مختلف عناصر کے سامنے سرنگوں ہونے کی تعلیم دیتا ہے۔

اسلام نسل انسانی کو مقام تکریم پر کھڑا کرتا ہے اور تفریق بین الناس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے کائنات کو خادم اور انسان کو مخدوم اور مالک قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے: **ولقد کرمنا بنی ادم** (۱۴۳) یعنی ہم نے نوع انسانی کو قابل تکریم بنایا ہے۔ وجہ تکریم حسب نسب کو قرار نہیں دیا بلکہ تقویٰ کو قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: **اِنَّ اکرمکم عند اللہ القتکم** (۱۴۴) کہ بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

> **لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر اِلاَّ بالتقویٰ** (۱۴۵)

''عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے سبب سے۔'' اس کرہ ارضی میں سب چیزیں انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: **ھوالذی خلق لکم مافی الارض جمیعاً** (۱۴۶) وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔ دوسری جگہ آتا ہے: **اَلَم تَرَو اَنَّ اللہ سَخَّرَ لَکم**

مافی السمٰوٰتِ ومافی الارض واسبغ علیکم نعمة ظاهرة وَّ باطنةً (۱۴۷) ''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ (کام میں لگا رکھا ہے) اور تم پر اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کو پورا کیا'' یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کسی دوسری مخلوق کے سامنے جھکنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ اللہ کے سوا کسی کے آگے جھکنا انسانیت کی تذلیل ہے:

دوسرا عنصر انسانی زندگی کا مقصد: اسلام میں انسانی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: یا ایها الناس اعبدو ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون (۱۴۸) ''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، جس نے تمہیں پیدا کیا اور انہیں جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ'' دوسری جگہ آتا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الجن والانس اِلَّا لیعبدون (۱۴۹) اسلام میں اللہ کی عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرے، جب انسان اللہ کی تعلیم کے مطابق اپنی زندگی ڈھال لے گا تو وہ حقیقی معنوں میں اس کا عبد (بندہ) بن جائے گا۔

تیسرا عنصر بنیادی عقائد و افکار: اسلامی تہذیب کے بنیادی عقائد و افکار پانچ ہیں:۔ اللہ پر ایمان، ۲۔ ملائکہ پر ایمان، ۳۔ آسمانی کتب پر ایمان، ۴۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان، ۵۔ آخرت (روز جزا و سزا) پر ایمان۔ اللہ پر ایمان: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یا ایهاالذین امنو اامنو باللّٰه (۱۵۰) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ پر ایمان لاؤ۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام خوبیوں کا جامع اور تمام عیوب سے منزہ سمجھنا اور اس کی تعلیم کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا۔

مذاہب عالم میں اللہ (خدا) کا تصور: مذاہب عالم کے دو پہلو ہیں، ایک ہے مخصوصیت Particularism کا پہلو اور دوسرا آفاقیت Umiversalism کا پہلو۔ اول الذکر میں دین کے رسوم و عبادات ہوتے ہیں، جبکہ آخر الذکر لوگوں کے نظام زندگی اور دوسروں کے ساتھ تعلقات سے عبارت ہوتا ہے۔ (۱۵۱) اکثر الہامی و غیر الہامی مذاہب میں کسی نہ کسی درجہ میں عظیم ترین ہستی اور خالق و مالک کا تصور صحیح یا بگڑی ہوئی شکل میں موجود ہے۔

مفردات امام راغب میں: ''یعنی لفظ الہ کی اصل حیران ہونا ہے، اس سے وہ کیفیت مراد ہے جو اللہ کے عظمت و جلال کے احساس سے بندے کے اندر پیدا ہوتی۔ لفظ اللہ سے الہٰ سے (الف۔لام۔تعریف داخل کر کے) بنا ہے کیونکہ عقلیں اس کے تصور سے حیرانگی پڑجاتی ہیں۔''(۱۵۲)

''الہٰ'' وہ ہے جو مطلق طور پر مقدس ہو، جس کے آگے آدمی اپنی پوری ہستی کے ساتھ جھک جائے، جو ہر قسم کے تصرف و تغلب سے ماورا ہو۔ حقیقی اِلہٰ ماننا تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہے اور غیر حقیقی کو الہٰ ماننا تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہے اور غیر حقیقی کو الہٰ ماننا تمام برائیوں کا سرچشمہ اور تمام خرابیوں کی جڑ ہے، یہی وہ چیز ہے جس کو دینی اصطلاح میں شرک کہا جاتا ہے۔ جس کے لئے خود باری تعالیٰ نے فرمایا: ان الشرک لظلمٌ عظیم۔ (۱۵۳) ''بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔'' اللہ کی طرف بہت سے خوبصورت نام ہیں جن کے متعلق قرآن کریم کہتا ہے:

و لِلّٰهِالاسماءُ الحُسنیٰ فادعوهُ سبها (۱۵۴) اور اللہ کے سب نام اچھے ہیں اوران کے ساتھ اس کو پکارو۔

دوسری جگہ قرآن کریم میں آتا ہے: و لِلّٰهِ المثل الاعلیٰ و هوا لعزیز الحکیم (۱۵۵) ''اللہ کی صفت نہایت بلند ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔''

لفظ اللہ قرآن کریم میں ۲۰۴۸ بار استعمال ہوا ہے۔(۱۵۶)

ہندومت میں خدا کا تصور: لفظ ہندو سنسکرت میں دریائے انڈس کے نام سندھو سے آیا ہے۔(۱۵۷) ہندو دھرم دنیا کے بڑے مذاہب میں سے ایک ہے۔ ہندوازم کو عام طور پر ویدک دور، برہمن دور، اور تریمورتی دور میں تقسیم کیا جاتا ہے۔(۱۵۸) عموماً ہندومت کو ایسے مذاہب کے طور پر لیا جاتا ہے جس میں کثرت خدا کا تصور ہے۔ ہندو اور مسلمان کے اعتقاد میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ ہندوؤں کے نزدیک ہر شئے خدا ہی ہے۔ جبکہ مسلمان کے نزدیک ''ہر شئی خدا کی ہے''(۱۵۹) ہندومت کا کوئی بانی نہیں ہے، جس نے کوئی بنیادی پیغام دیا ہو نہ عیسیٰ کی طرح رہنما، ہندوؤں کے یہاں کنفیوشس کی طرح بھی کوئی شخص نہیں ہے۔ ان کے یہاں اپنی ایسی شخصیتیں نہیں ہیں جیسے جینیوں کے یہاں مہاویر (سوامی) بدھوں کے یہاں گوتم بدھ، سانکھیہ منی اور سکھوں کے یہاں گرو (نانک) ایک مفہوم کے مطابق ہندومت کا بانی ایک انبوہ ہے۔

جس کی شخصیتیں تاریکی میں ہیں۔(۱۶۰)

سکھ مذہب میں خدا کا تصور: سکھ مذہب کے بانی کا نام گرونانک ہے۔ اس مذہب میں وحدت الوجود کی تعلیم عام کی گئی ہے۔ یہ تسلیم کرتا ہے کہ صرف ایک خدا غیر مرئی شکل میں ہے اور اپنی لاتعداد صفات کے ساتھ موجود ہے جس کے مختلف نام ہوسکتے ہیں۔(۱۶۱) گرونانک نے اسلام اور ہندومت کے بہترین اجزا اکٹھا کرنے کی کوش کی، اسلام سے انہوں نے توحید کی تعلیم حاصل کی، سکھ اس خدا کا سچا نام کہتے ہیں وہ کہتے ہیں ایک ہی خدا ہے، جس کا نام سچا ہے، وہ خالق ہے، خوف اور عداوت سے مبرا، لافانی، خود ہی وجود میں آجانے والا، اے نانک وہ اب بھی سچا ہے، وہ ہمیشہ سچا رہے گا۔(۱۶۲)

بت پرستی کی بھی شدید مخالفت کرتا ہے۔(۱۶۳) اس کا مطلب ہے ایک ہی رب اعلیٰ ہے۔ وہ ایک غیر واضح اور مبہم صورتمیں موجود ہے۔ جسے ایک اومکارا کہا جاتا ہے۔ جب خدا کی واضح صفات بیان کی جائیں تو اسے اومکارا کہتے ہیں، سکھ مذہب میں خدا کی کئی ایک صفات بیان کی جاتی ہیں، ا۔کرتار: خالق، ۲۔صاحب: بادشاہ، ۳۔اکال: ابدی، ۴۔ستنانام: مقدس نام، ۵۔پروردگار: محبت سے پرورش کرنے والا، ۶۔رحیم: رحم کرنے والا، ۷۔کریم: کرم کرنے وال(۱۶۴)

زرتشت یا پارسی مذہب میں خدا کا تصور: یہ دنیا کے قدیم مذاہب مین سے ایک ہے ایک ایرانی پیغمبر زرتشت نے پارسی مذہب کی بنیاد رکھی تھی۔ ان کی مقدس کتابوں میں ''دساتیر اور آوستا'' شامل ہیں۔ اس کتاب کے پانچ حصے ہیں: یعنی ا۔پاستا (قربانی اور قربانی کی دعاؤں پر مشتمل ہے) ۲۔گاتھا: (مذہبی قصائد پر مشتمل ہے) ۳۔وسیرڈ: (خدا کی حمد و ثناء کا ذکر ہے) ۴۔ونڈیواو: (ارواح خبیثہ سے مقابلہ کی تدابیر) ۵۔ایشٹ: (فرشتوں اور قدیم ایران کے بہادروں کی مدح پر مشتمل ہے۔(۱۶۵)

پارسی مذہب میں خدا کے لئے ''اہورمزوا'' کا نام آیا ہے۔ اہور کا مطلب ''آقا'' اور مزوا کے معنی ''عقلمند'' کے ہیں۔ اس کے تصور میں بھی ایک خدا کے تصور کا بہت دخل ہے۔(۱۶۶) مشرق وسطیٰ میں زرشت نے تقریباً ۵۵۰ سال ق م غالباً پہلی بار وحدانیت معبود کے اقرار کے ساتھ خدائے خیر کا نظریہ ہمہ گیر راستی محبت اور اخوت کے عوامل کی حدود میں پیش

کیا۔(۱۶۷) زرتشت مذہب کی رو سے تمام اشیاء کا خالق خدا ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا وہ سب کچھ دیکھتا ہے، اور سب کچھ سنتا ہے، اور تمام کائنات پر اپنی مرضی سے تصرف کرتا ہے۔(۱۶۸)

بدھ مت میں خدا کا تصور: بدھ مت کے موسس کا نام گوتم بدھ تھا۔ یہ کروڑوں انسانوں کا مذہب ہے۔(۱۶۹) بدھ کے نظریات میں کسی خدا کی مخالفت میں اشارہ تک نہیں ملتا۔(۱۷۰) تاہم بدھ مذہب میں خدا کا کوئی تصور نہیں ملتا اور نہ خود بدھا نے کبھی خدائی کا دعویٰ کیا اور نہ ہی اپنے آپ کو نجات دھندہ کی حیثیت سے پیش کیا۔ لیکن خود بدھا کی وفات کے بعد خود اس کے پیروکاروں نے اسے الوہیت کا درجہ دے دیا اور اس کے علم کو لامحدود قرار دے دیا گیا۔(۱۷۱)

یہودیت میں خدا کا تصور: یہودیت وحدانیت کے قائل مذاہب میں سے سب سے قدیم مذہب ہے، یہودی مذہب کی بنیاد دو عقائد پر ہے۔ا۔خدا کی وحدانیت، ۲۔بنی اسرائیل کے ساتھ خدا کا مخصوص تعلق یہود اس امر پر یقین رکھتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا مختار وذمہ دار ہے۔ یہودیت کی مقدس کتاب ''توراۃ'' ہے جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس وقت نازل ہوئی جب وہ بنی اسرائیل کے ساتھ ۱۲۳۰ق م میں مصر سے ہجرت کے دوران میں کوہ سینا پر تشریف لے گئے(۱۷۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مصر کی مذہبی، تہذیبی وتمدنی حالت بہت بگڑ چکی تھی، ۱۳۷۵ق م میں مصر کا بادشاہ ''اخناٹن Akhhaton تھا۔ جس نے مصر کے پجاریوں، اور کاہنوں کے عقائد کے خلاف توحید کی آواز بلند کی تھی اور اس کا نظریہ وحدانیت کئی برس تک مصر پر چھایا رہا۔ اس نے بت پرستانہ رسوم کو ممنوع قرار دیا تھا۔ مگر اس کی موت کے بعد پجاریوں اور کاہنوں کا دوبارہ ملک پر تسلط قائم ہوگیا۔(۱۷۳)

عیسائیت میں اللہ کا تصور: لفظ عیسیٰ عبرانی لفظ یسوع کا معرب ہے جس کے معنی ''نجات دلانے والا'' کے ہیں۔ یہ لفظ لاطینی اور انگریزی زبانوں میں ''جیسس'' Jesus بن گیا۔(۱۷۴) عیسائیت کے ڈیڑھ ارب پیروکار ہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰ پر اعتقاد رکھتے ہیں، اسلام میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بے حد احترام کیا جاتا ہے، باربرا جو عیسائی پادری تھے اس نے اپنی محققانہ کتاب میں ثابت کیا ہے کہ عیسیٰ نہ قتل ہوئے، نہ صلیب دئے گئے،

بلکہ آسمانوں پر اٹھائے گئے اور وہ انسان تھے۔(۱۷۵) حضرت عیسیٰ سے منسوب یہ بیانات ملاحظہ ہوں: ''میرے والد مجھ سے عظیم ہیں۔'' (۱۷۶) ''میرے والد سب سے بلند اور عظیم ہیں۔'' (۱۷۷) ''میں خدا کے حکم سے شیطانوں کو پنختا ہوں۔'' (۱۷۸) ''خدا کی انگلی سے شیطان کو نکال باہر کرتا ہوں۔(۱۷۹) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی بھی رب ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائے بزرگ و برتر نے یہودیت کی تکمیل وتصدیق کے لئے بھیجا تھا۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغمبرانہ مشن کی طرف درج ذیل آیات سے بھی اشارہ ملتا ہے: ''اور جو الفاظ تم سنتے ہو وہ میرے نہیں ہیں بلکہ اس باپ کے ہیں جس نے مجھے بھیجا۔(۱۸۰) اور یہ زندگی لافانی ہے، شاید وہ ایک سچے خدا کو جان جائیں گے جس نے مجھے بھی بھیجا ہے۔(۱۸۱)

تیسرا عنصر ملائکہ پر ایمان: ارشاد الٰہی ہے: ومن یکفر باللّٰہ وملٰئکتہٖ (۱۸۲) ''جو اللہ اور اس کے فرشتوں کا انکار کرے۔''

کائنات میں سورج، چاند، ستارے، ہوائیں، بادل وغیرہ تمام عناصر جو انسان کے لئے کام کرتے نظر آرہے ہیں درپردہ یہ ملائکہ کے کام ہیں، ملائکہ نسل انسانی کی روحانی ربوبیت کے لئے وحی لانے کے وسائط ہیں۔(۱۸۳) مومنین کی مدد کے لئے اور ان کے دشمنوں کے خلاف بھیجے جاتے ہیں۔(۱۸۴) مؤمنوں اور غیر مؤمنوں سب کے لئے دعائے مغفرت مانگتے ہیں۔(۱۸۵) مومنوں کی روح قبض کرتے ہیں۔(۱۸۶) غیر مومنوں کی بھی (۱۸۷) لوگوں کے اعمال لکھتے ہیں۔(۱۸۸) قیامت کے دن لوگوں کی شفاعت کریں گے۔(۱۸۹) اعمال صالحہ کے لئے تحریکات کرتے ہیں۔ ملائکہ انسان میں روحانی زندگی پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔

چوتھا عنصر کتب سماوی پر ایمان: اس سے مراد وہ تمام آسمانی کتب ہیں جو وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام پر لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوتی رہی ہیں ارشاد ربانی ہے: والکتاب الذی نزل علیٰ رسولہٖ والکتاب الذی انزل من قبل (۱۹۰) اور اس کتاب پر ایمان لائے جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: والذین یومنونَ بما انزل الیک وما انزل من قبلک (۱۹۱) وہ اس پر ایمان لائے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا ہے اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا۔ ان مذکورہ بالا آیات کی

رو سے تمام کتب سماوی پر ایمان لانا مسلمانوں کے مذہب کا اصول ہے۔

قوم کی ہدایت کے لئے ہر دور میں رسول بھیجے گئے: جس طرح اللہ تعالٰی نے نسل انسانی کی جسمانی ربوبیت کے لئے خوراک اور دوسری اشیاء پیدا کی ہیں اسی طرح روحانی و اخلاقی ترقی کے لئے روحانی خوراک سے متمتع کیا ہے۔ چنانچہ ہر قوم کی ہدایت کے لئے ہر دور میں انبیاء علیہم السلام بھیجے ہیں اور اللہ نے ہر رسول پر وحی نبوت یعنی کتاب نازل فرمائی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: **وَانزل مَعَھُمُ الکتاب بالحق** (۱۹۲) اوران کے لئے حق کے ساتھ کتاب اتاری۔

انبیاء علیہم السلام پر ایمان: قرآن کریم میں آتا ہے کہ: **کلٌّ امن باللّٰہِ وملٰئِکَتِہٖ و کُتُبِہٖ ورسلہٖ** (۱۹۳) وہ سب اللہ پر اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ وہ مقدس ہستیاں ہیں جن کے دلوں پر جبرئیل علیہ السلام اللہ کے احکامات لے کر اترتے رہے، پھر یہ ہستیاں ان احکام پر خود عمل کر کے لوگوں کے لئے عملی نمونہ بنتی رہیں۔ اسلامی نظریہ کی رو سے ہر قوم کی طرف نبی آتے رہے ہیں۔ انہوں نے آسمانی نبی کو مانا ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: **وَاِن من اُمَّۃٍ اِلاَّ خلا فیھا نذیر** (۱۹۴) اور کوئی قوم نہیں جس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

تمام انبیاء علیہم السلام ایک ہی گروہ ہیں: تمام انبیاء کرام علیہم السلام چشمہ الوہیت سے سیراب ہو کر دنیا کے تمام لوگوں کے دل کی کھیتیوں کو سرسبز کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ایک ہی مشن اور کام ہو، سے تمام انبیاء علیہم السلام ایک ہی گروہ ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں آتا ہے:

اِنَّ ھذِہٖ اُمَّتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاعبدون (۱۹۵) یہ تمہاری امت ایک جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں میری عبادت کرو۔

رسولوں کے درمیان تفریق کفر ہے: جبکہ اسلام نے تمام رسولوں کو ایک ہی امت قرار دیا ہے تو ان کے درمیان تفریق کرنا سراسر ظلم اور کفر ہے، ارشاد ہے: **لا نفرق بین احد من رُسُلہٖ** (۱۹۶) یعنی ہم رسولوں کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہیں کرتے۔ دوسری جگہ آتا ہے: "وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے

رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار تے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان راہ نکالیں وہ پکے کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے ذلیل وخوار کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔(۱۹۷)

ختم نبوت: رسول کریم ﷺ پر نبوت کے تمام مدارج ختم ہو چکے تھے، اس وجہ سے آپ ﷺ کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آ سکتا، ارشاد ربانی ہے: ماکان محمد ابا احدمن رجالکم ولکن رسول اللّٰہ و خاتم النبین وکان اللّٰہ بکل شی علیماً o (۱۹۸) ''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور خاتم النبین ہیں۔ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔'' ختم نبوت کا مقصد نسل انسانی میں اتحاد پیدا کرنا ہے۔

ایمان بالقیامة: قرآن کریم میں آرشاد ربانی ہے: وبالآخرة همر یوقنون (۱۹۹) ''اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔'' دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: من امن باللہ والیوم الاخر و عمل صالحا فلھم اجرھم عند ربصمر (۲۰۰) جو کوئی بھی ایمان لایا اللہ اور روزہ قیامت پر اور اچھے کام کرتا ہے تو ان کے لئے ان کا بدلہ اپنے رب کے یہاں ہے۔ یوم قیامت پر ایمان نہ لانے والوں کے متعلق قرآن کریم کہتا ہے: الھکم الہ واحد فالذین لایومنون بالآخرة قلو بھم منکرة وھم مستکبرون (۲۰۱) تمہارا معبود ایک ہی ہے سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل انکاری ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں، قیامت کے دن پر ایمان لانے سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کے دل میں نیک کاموں کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔

پانچواں عنصر اجتماعی نظام: اسلامی تہذیب کا پانچواں ترکیبی عنصر اس کا اجتماعی نظام ہے جو ایک فرد کی زندگی سے لے کر بین الاقوامی زندگی پر پھیلا ہوا ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے: مافرطنا فی الکتاب من شئي : بنی نوع انسان کی ضرورت کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کتاب میں بیان نہ ہوئی ہو۔ الغرض کسی بھی تہذیب وثقافت کا تجزیہ ہم انہی عناصر کی روشنی میں کر سکتے ہیں کہ آیا وہ تہذیب مستحکم ہے یا فساد پذیرہ؟ اچھی ہے یا بری؟ اس کا فیصلہ یہی عناصر کریں گے، ان عناصر ترکیبی پر نظر ڈالنے سے یہ بات ازخود واضح ہو جاتی ہے کہ یہ تمام تر فکری بنیادیں، اصول و افکار ہیں، انہی اصولوں کی فکر تشریح وتوضیح سے تہذیب وثقافت کا پورا

ڈھانچہ استوار ہوگا اور انہی اصول و افکار کی عملی صورت سے تمدن Civilization وجود پذیر ہوگا۔ انسانی زندگی کے دو کامل اجزاء ہیں: جن میں سے ایک فکر ہے اور دوسرا عمل، اس لئے کلچر فکری استواری اور تمدن عملی مظاہر کا نام ہوگا۔ جس طرح فکر صالح بھی ہوسکتی ہے اور فاسد بھی۔ اسی طرح تہذیب صالح بھی ہوسکتی ہے اور فاسد بھی، بلکہ ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح انسانی طبائع میں سطحیت بھی ہوتی ہے اور گہرائی بھی اسی طرح تہذیب سطحی بھی ہوتی ہے اور عمیق بھی۔ محسن مہدی نے نے ابن خلدون کے حوالے سے اسے یوں بیان کیا ہے: ''انسانی ثقافت کا انسانی فطرت کے ساتھ وہی تعلق ہے جو عادات، رسومات، اور مصنوعی تخلیقات کا انسان فطرت سے۔ اس لئے ثقافت کو فطری اور مصنوعی دونوں نام دئے جاسکتے ہیں۔'' (۲۰۲)

تہذیب و ثقافت کی روح قرآنی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں: اسلامی تہذیب و ثقافت سے مراد اعلیٰ نظریات، بلند نصب العین اور معاشرتی و اخلاقی اقدار ہیں، اور اس ثقافت کی روح وہ بنیادی اصول ہیں جن پر ہمارے ثقافتی ڈھانچے کی استواری کا انحصار ہے۔ مندرجہ ذیل اصولوں کو اسلامی تہذیب و ثقافت کی اساس (روح) قرار دیا جاسکتا ہے: ا۔وحدت ربانی، ۲۔رسالت، ۳۔جوابدہی کا تصور، ۴۔وحدت نسل انسانی، ۵۔عظمت انسانی، ۶۔تقویٰ۔

وحدت ربانی: اسلامی تہذیب کی روح توحید پر ہے۔ توحید کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات وصفات اور اعمال میں ایک ماننا اور تمام خوبیوں کا جامع اور تمام عیوب سے مبرا تسلیم کرنا ہے توحید کے اس مفہوم کو سامنے رکھ کر مسئلہ توحید کو مختصر پیرایوں میں قرآن کریم میں بے شمار مقامات پر دہرایا ہے۔ تمام علماء اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ توحید ہی تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق قرآنی تعلیمات کا عمود ہے۔ توحید کو نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ جامع اور مانع الفاظ میں ''سورہ اخلاص'' میں بیان کیا گیا ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○ (۲۰۳)

''کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کا بیٹا ہے اور نہ ہی وہ کسی کا بیٹا ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔'' وہ نظام کائنات میں اکیلا بااختیار قادر مطلق، فعال لما یرید اور حاکم علی

الاطلاق ہے۔توحید تین امور کو ظاہر کرتی ہے۔اوّل: اللہ تعالیٰ اور انسان کا باہمی تعلق، دوم: انسانوں کا باہمی تعلق، سوم: انسان کا دوسری مخلوقات سے تعلق۔امر اوّل: اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے اور اس کی عبادت میں حقیقی خوشی محسوس کرے اور شرک کے تصور سے اپنے دل کو پاک وصاف رکھے۔قرآن کریم نے اس تعلق کو مختلف رنگوں میں بیان کیا ہے:

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُواْ رَبَّکُمُ (۲۰۴)''اے لوگو!اپنے رب کی عبادت کرو''

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وإِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُo (۲۰۵)''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔''

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ o(۲۰۶)''میں نے جن اور انس اس لئے پیدا کئے ہیں کہ وہ میری عبادت کریں۔''

توحید کی ضد شرک ہے قرآن کریم نے اس کو بھی براہین قاطعہ سے باطل کیا ہے۔اور تمام گناہوں سے بدترین گناہ قرار دیا ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ o(۲۰۷)بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

شرک کو اس وجہ سے بدترین گناہ قرار دیا ہے کہ وہ ''مانع تہذیب'' ہے جب انسان ماسوا اللہ کی پرستش کرتا ہے تو وہ سب علمی تحقیقات کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلیتا ہے۔جب انسان حجر، شجر، شمس وقمر اور دیگر مخلوقات کو اپنا معبود اور مطلوب بنالیتا ہے تو ان کو مسخر کرنے اور ان سے خدمت لینے کی تمام راہیں مسدود کرلیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام سے قبل علوم مادیات میں کوئی ترقی نہ ہوئی۔اس وجہ سے اسلام نے شرک کی ہر قسم کو باطل قرار دیا ہے تاکہ انسان ماسوا اللہ کی زنجیروں سے آزاد ہوکر تہذیب کے میدان میں ترقی کرلے۔قرآن کریم نے جہاں توحید الٰہی کے ہر گوشہ کی وضاحت کی، وہاں ہر قسم کے شرک کی بھی تردید کی ہے۔کیونکہ شرک تمام بدیوں کا سرچشمہ ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلاَ نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئاً وَلاَ یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ (۲۰۸)

''کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں نہ ہم

میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے۔" پس اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان تعلق عبودیت کا ہے۔ عبودیت یہ تقاضہ کرتی ہے کہ انسان احکام الٰہی کی کامل فرمانبرداری کرے۔ جب ایک انسان اللہ تعالیٰ کا ہی حقیقی بندہ بن جاتا ہے تو انسان کی مخفی استعدادیں ترقی کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ نیکیوں سے محبت اور بدی سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ رسول کریم ﷺ کی بعثت سے قبل تمام عرب شرک میں مبتلا تھا، جس کی وجہ سے ان میں ہر قسم کی برائی پائی جاتی تھی، جونہی رسول کریم ﷺ نے توحید کا نعرہ بلند کیا اور لوگوں نے ایمان لانا شروع کیا، تو ان میں ایک روحانی انقلاب رونما ہو گیا۔ وہی لوگ جو بتوں کی پوجا کرتے تھے اور ہر قسم کی برائیوں کی آلودگیوں میں ملوث تھے وہی لوگ نیکی کے راستہ پر قدم مارنے لگے اور برائیوں سے نفرت کرنے لگے۔

مشرکانہ عقائد کا ردّ: اسلام نے صرف خالص توحید ہی بیان نہیں کیا بلکہ ان تمام مشرکانہ عقائد کا بھی رد کیا ہے جو اسلام سے قبل مختلف مذاہب میں رائج ہو چکے تھے۔

عقیدہ تنویت کا ردّ: یہ عقیدہ زرتشت مذہب کا وہ دو خدا "اہرمن" اور "یزدان" کے قائل تھے۔ اس کے رد میں قرآن کریم فرماتا ہے: وَقَالَ اللّٰهُ لاَ تَتَّخِذُوا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَاحِدٌ فَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ o (۲۰۹) کائنات کی دیگر اشیاء سے الوہیت کی نفی کرتے ہوئے فرمایا: لَوْ کَانَ فِیْهِمَا آلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (۲۱۰) اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو یہ درہم برہم ہو جاتا۔

عقیدہ تثلیث کا ردّ: یہ عقیدہ عیسائیوں کا ہے اس کے ردّ میں قرآن کریم فرماتا ہے: فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوْا خَیْرًا لَّکُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (۲۱۱) پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ (اور مت کہو) تین ہیں۔ اس عقیدہ سے رک جاؤ تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ صرف ایک ہی معبود ہے۔

عقیدہ ابنیت کا ردّ: یہ یہود اور عیسائیت کا عقید ہے۔ یہود نے عزیر کو اللہ کا بیٹا بنا لیا۔ اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو اس کے ردّ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَمَا یَنْبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًاo (۲۱۲) خدائے رحمان کی یہ شان نہیں کہ وہ بیٹا بنائے۔

امر دوم: توحید الٰہیہ نسلِ انسانی کے اتحاد کی متقاضی ہے۔ نسل انسانی کی وحدت پر جو توحید کا نتیجہ ہے قرآن کریم نے بہت زور دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

کان الناس امۃ واحدۃ (۲۱۳) سب لوگ ایک ہی قوم ہیں۔ پھر فرمایا: وما کان الناس الّا امۃ واحدۃ (۲۱۴) سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں۔ انسان اپنی اصل واحد کے باعث باہم مربوط ہیں سب کی نسبت اس کی اصل کے ساتھ برابر ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنسَانَ مِنْ سُلَالَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ (۲۱۵) ''اور بلاشبہ ہم نے انسان کو کیچڑ کے خلاصے سے پیدا کیا۔'' رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

انتم ابن و آدم و آدم من تراب (۲۱۶) ''تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔''

اسی طرح قرآن کریم لازوال سچائی کا بھی اعلان کر رہا ہے کہ: ''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اس نے اس میں سے اس کا جوڑ پیدا کیا اور ان دو سے بکثرت مرد اور عورت پھیلائے۔'' (۲۱۷) نوع انسان کو ایک ہی جان سے پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کو باہم مربوط کر دیا۔

امر سوم: توحید انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ وہ کائنات کو اپنا خادم سمجھے (۲۱۸)

یہی وہ تصور ہے جس نے مادی ترقی کے راستے کھولے ہیں، ایک وقت تھا جب دنیا نے کائنات اور اس کے عناصر کو اپنا معبود سمجھا تھا اس کی وجہ سے انسان کے دل میں یہ کبھی بھی خیال نہیں آسکتا تھا کہ کائنات اور اس کے عناصر اس کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں جب اسلام نے توحید کا پیغام سنایا تو عناصر پرستی سے نجات ہوئی۔ اور یہ سبق دیا کہ چاند، سورج، ستارے، دریا، سمندر، آگ، ہوا، پانی، غرض زمین و آسمان کی سب چیزیں تمہاری خادم ہیں، تب انسان نے ان کو مسخر کرنے کی طرف توجہ کی۔ سائنٹیفک تحقیقات کے دروازے کھلے یہ حقیقت ہے کہ اسلام کے آنے سے ہی علوم جدیدہ اور سائنس کی ترقی ہوئی۔ قرآن کریم میں آتا ہے: ''کیا تم غور نہیں کرتے کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور تم پر اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کو پورا کیا ہے۔ (۲۱۹) پس قرآنی توحید نے ہی انسان کو علمی تحقیق کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اگر حکماء کی آرا و افکار کا جائزہ لیا جائے تو یہی تینوں امور جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے سامنے آتے ہیں، جن کو حکماء نے اصول تہذیب قرار دیا ہے۔ مشہور فلاسفر Kent نے یہ تسلیم کیا ہے کہ: ''تہذیب انسانی اس وقت کمال کو پہنچے گی جب انسان خدا کی

وحدانیت کو تسلیم کرے۔ (۲۲۰)

رسالت: رسالت کے معنی پیغام پہنچانے کے ہیں۔ لیکن اصطلاحی طور پر اس سے مراد وہ منصب ہے جس کے ذریعے سے ایک اللہ کا بندہ لوگوں تک اس کے احکام پہنچاتا ہے۔ نسل انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لئے بے شمار انبیاء و رسل بھیجے گئے اور یہ سلسلہ نبی آخرالزماں محمد ﷺ پر اس لئے ختم ہوا کہ آپ کو پوری انسانیت کے نبی آخرالزماں محمد ﷺ پر اس لئے ختم ہوا کہ آپ کو پوری انسانیت کے لئے نبی و رسول بنا کر بھیجا گیا۔ نبوت انسان کی عقلی وفکری ضرورت ہے۔ اسلام کا دعویٰ ہے کہ انسانی زندگی کی رہنمائی اور اصول و قوانین کی صحیح تشکیل صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے اور انہیں متعارف کرانے کا واحد ذریعہ رسالت ہے۔

اسلام کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں وحدت فقط عقیدہ رسالت ہی کے سبب پیدا ہو سکتی ہے، کیونکہ یہاں قوانین و اصول ایک بالاتر ہستی سے ایک معصوم ذات کی وساطت سے انسانی زندگی تک پہنچتے ہیں۔ جن پر ماحول، معاشرہ، انفرادی و اجتماعی تعصب کی پرچھائیاں نہیں پڑتیں جو تہذیب اس عقیدے پر پروان چڑھے اس میں وحدت و یگانگت ہوتی ہے۔ چونکہ زندگی کے تمام مسائل ایک ہی راہ سے آرہے ہوتے ہیں اس لئے ان میں اختلاف کی گنجائش کم ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اس کی نشاندھی کرتے ہوئے فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ O ثَانِيَ عِطْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ O (۲۲۱)

اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدون واقفیت یعنی علم ضروری اور بدون دلیل یعنی استدلال عقلی اور بغیر کسی روشن کتاب کے تکبر کرتے ہوئے جھگڑا کرتے ہیں تا کہ اللہ کی راہ سے بے راہ کردیں۔

اس کے بعد قرآن کریم بیان کرتا ہے کہ انسانی رہنمائی کے اصول اللہ کی طرف سے آتے ہیں، جنہیں وہ وحی والہام کے ذریعے انسانوں تک پہنچاتا ہے۔ قرآن کریم نے اس وحی کو علم و حکمت قرار دیا اور یہ واضح کیا کہ وحی والہام کے بغیر کسی کے پاس یقینی علم نہیں ہے۔ ''اے میرے باپ میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا تو آپ میرے کہنے پر چلو میں آپ کو

سیدھا راستہ بتلاؤں گا۔(۲۲۲) قرآن کریم نے لوط علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: **وَلُوطاً آتَیناہُ حُکماً وَعِلماً** (۲۲۳)اور لوط علیہ السلام کوہم نے حکمت اور علم عطا فرمایا۔

موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہُ وَاستَوٰی آتَینَاہُ حُکماً وَعِلماً (۲۲۴)

''اور جب وہ اپنی جوانی (کی عمر) کو پہنچے اور (قوت جسمانیہ وعقلیہ) سے درست ہو گئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا۔'' حضور اکرم ﷺ کو ارشاد ہوا: ''اور اگر آپ ان کے نفسانی خیالات کو اختیار کرلیں اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم (وحی) آئے تو یقینا آپ (نعوذ باللہ) ظالموں میں شمار ہونے لگیں۔(۲۲۵) ایک اور جگہ فرمایا: ''اگر آپ نے اپنے پاس علم وحی آ جنے کے بعد بھی ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلے میں تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا۔(۲۲۶) قرآن کریم نے دراصل ایک تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔ایک طرف وہ تہذیب ہے جس کی بنیاد ظن وتخمین پر ہے اور دوسری طرف وہ تہذیب ہے جس کی بنیاد یقین،علم اور حکمت پر ہے،کسی زندہ تہذیب کے لئے جاندار روح صرف رسالت ہی ہو سکتی ہے۔رسالت کے بغیر ہر تہذیب ادھوری، بے بنیاد اور بے روح ہوگی۔تصور رسالت سے اسلامی تہذیب کو پائیداری نصیب ہوئی۔انبیاء کرام کا طویل سلسلہ دراصل اسی تہذیب کی روحانی حیات کا مظہر ہے۔پھر نبی رحمت کو آخری نبی بنا کر بھیجا تو اسلامی تہذیب کو آخری زندہ جاوید اور متحرک تہذیب بنایا۔جس طرح آنحضرت ﷺ کی رسالت تمام رسالتوں کی جامع ہے،اسی طرح اسلامی تہذیب بھی تمام تہذیبوں کی جامع ہے۔(۲۲۷)

اسلامی تہذیب کی اہم بنیاد عقیدہ رسالت ہے۔اور اس کی تکمیل حضور نبی کریم ﷺ کی خصوصی حیثیت کو تسلیم کرنے سے ہوتی ہے۔اس خصوصی حیثیت کو قرآن کریم نے چار طریقوں سے بیان کیا ہے۔(الف) دعوت عام، (ب) تکمیل دین، (ج) نسخ ادیان سابقہ، (د) ختم نبوت۔ان چار عناصر سے رسالت محمدی ﷺ کی وضاحت ہوتی ہے۔''آنحضرت ﷺ تمام انسانیت کے رہنما ہیں''(۲۲۸) آپ ﷺ نے دین کی تکمیل کردی۔(۲۲۹) آپ ﷺ کی موجودگی میں کسی اور نبی پر تفصیلی امور اتباع ایمان نہیں لایا جاسکتا۔(۲۳۰) آپ ﷺ کی ذات پر ہر قسم کی نبوت ختم ہے۔(۲۳۱) کیونکہ آپ ﷺ کی ذات ہی تہذیبی رہنما کا کام دے گی۔اگر

نئی نبوت تسلیم کی جائے تو یہ تین خصوصیات بھی ختم ہو جائیں گی، نیز اسلامی تہذیب کو نئی رہنمائی کی ضرورت لاحق ہو جائے گی۔ (۲۳۲) یہ تمام اجزاء رسالت محمدی ﷺ کے لازمی اجزاء ہیں، اور انہی پر اسلامی تہذیب کی علمیت، وسعت ابدیت، اور پائیداری کا دارومدار ہے۔

جوابدھی کا تصور: یہی وہ تصور ہے جو افکار و اعمال کو پاکیزہ رکھتا ہے، جس کی وجہ سے تقویٰ و احتیاط کا رویہ پیدا ہوتا ہے۔ عقیدہ آخرت پر ایمان لانے سے انسان کو یہ احساس رہتا ہے کہ ایک دن علیم و خبیر ہستی کے سامنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ جب انسان کے دل میں خوف الٰہی پیدا ہو جاتا ہے تو وہ ہر قسم کی برائی سے اجتناب کرتا ہے اور ہر قدم نیکی کی طرف اٹھتا ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے:

وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوءَ الْحِسَابِ ٥ (۲۳۳) "اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب کا خوف رکھتے ہیں۔" دوسری جگہ آتا ہے:

اِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ٥ (۲۳۴) "ہم اپنے رب سے تنگی اور سختی کے دن کا خوف رکھتے ہیں۔"

بعثت بعد الموت پر ایمان لانے سے انسان کے اندر نیکی کا جذبہ ابھرتا ہے اور بدی سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ اس کو احکم الحاکمین کے سامنے موت کے بعد حاضر ہونے کا یقین ہوتا ہے۔

اسلام اور دیگر اقوام میں تہذیبی و ثقافتی مشترکہ نکات میں مماثلت

مذاہب عالم میں اسلام کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ قدیم ترین بھی ہے اور جدید ترین بھی ہے۔ آفرینش عالم سے نبی آخر الزماں تک جملہ انبیاء کا دین اسلام ہی تھا، اس کی تعلیمات ہر دور میں نافذ العمل ہو سکتی ہیں، اور نت نئے تقاضے بھی ان تعلیمات سے پورے ہو سکتے ہیں، اس لحاظ سے اسلام جدید ترین دین ہے۔ یہ جملہ مذاہب کا خلاصہ اور خاکہ ہے۔ (۲۳۵)

بدھ مت اور اسلام کی مشترکہ اقدار: حسب ذیل اقدار مشترک ہیں۔

۱۔ حضرت محمد ﷺ کی زندگی انسانیت کی خدمت اور معاشرتی برائیوں کے سدباب کے لئے مختص تھی، مہاتما بدھ نے بھی آرام و آسائش ترک کر کے گیان اور خدمت خلق کے لئے زندگی وقف کر دی تھی۔ ۲۔ دونوں نے اعلیٰ اخلاق کا ذاتی کردار پیش کیا۔ محض ظاہری رسوم اور عبادات کے

بجائے اصلاح نفس، صدق، طہارت، تقویٰ اور اعمال صالحہ پر توجہ مرکوز فرمائی۔۳۔ مذہب پر مخصوص طبقہ کی اجارہ داری ختم کی گئی۔سماج کے مختلف طبقات کے حقوق وفرائض کا یقین کیا گیا۔ ۴۔دونوں مذاہب کی تعلیمات میں بھی مماثلت پائی جاتی ہے۔(۲۳۶)

اسلام اور کنفیوشس کی مماثلت:۱۔عملی طریقوں میں اختلاف کے باوجود دونوں مذاہب کی اخلاقی اور سیاسی تعلیمات یکساں ہیں۔۲۔دونوں انسان دوستی اور انسانی فطرت کے گناہ سے پاک ہونے کے دعوے دار ہیں۔۳۔دونوں میں اعتدال پسندی پائی جاتی ہے۔۴۔دونوں کے رہنماؤں کا ذاتی کردار راست بازی پر مبنی تھا۔۵۔دونوں سماجی روابط مستحکم رکھنا چاہتے ہیں۔(۲۳۷)

اسلام اور زرتشتی مذہب میں مماثلت: ا۔اسلام اور زرتشتی مذہب کے بعض بنیادی عقائد میں مماثلث پائی جاتی ہے۔۲۔ ہر دو خدا کی وحدانیت اور رحمت پر ایمان رکھتے ہیں۔۳۔دونوں متفق ہیں کہ نیکی اور بدی کے معاملہ میں انسان کو اختیار دیا گیا ہے۔۴۔ دونوں حیات بعد الممات جنت، دوزخ، ملائکہ اور انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔(۲۳۸)

یہودیت اور اسلام: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے متعدد انبیاء نازل فرمائے۔حضرت موسیٰ صاحب شریعت تھے، جملہ انبیائے بنی اسرائیل کی تعلیمات کا خاکہ یہ ہے کہ توحید، رسالت، آخرت اسلام ہی ان کا دین تھا۔لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ نبی اسرائیل کے کاہنوں اور احبار نے اپنے خیالات اور رجحانات کے مطابق باطل عقائد کی آمیزش سے دین کا حلیہ بگاڑ دیا۔اگر باطل عقائد وتصورات سے یہودیت کو پاک کر دیا جائے تو یہودیت اور اسلام میں مماثلت نمایاں ہو جائے گی۔(۲۳۹)

عیسائیت اور اسلام کی تعلیمات میں مماثلت: توحید، اصل عیسائیت اور اسلام کے تصور توحید میں مماثلت پائی جاتی ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ٥(۲۴۰) جبکہ کتاب مقدس میں ہے: پھر ابلیس یسوع کو اونچے پہاڑ پر لے گیا، دنیا کی سب سے بڑی سلطنتوں کی شان وشوکت دکھائی اور کہا اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کر دے تو میں یہ سب کچھ تجھے دے دوں گا۔یسوع نے فرمایا اے شیطان دور ہو جا کیونکہ لکھا ہے کہ تو اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔(۲۴۱)

یسوع نے ایک فقیہہ کے جواب میں فرمایا: ''اے اسرائیل سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی ہے اور تو خداوند سے اپنے سارے دل، اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔'' (۲۴۲)

تہذیب وثقافت اور مذاہب کے مابین مشترک اخلاقی اصول واقدر میں تقارب وہم آہنگی

عیسائیت اور یہودیت کے ساتھ اسلام کے تین عقائد مشترک ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت یہ ساری کائنات اللہ کی تخلیق ہے، اور یہ کہ تمام انسان ایک ہی خاندان کے فرد اور آدم اور اماں حوا کی اولاد ہیں۔ اسلام خاتم النبیین کی طرح حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ کو نبی برحق مانتا ہے۔ حضرت موسیٰ کا قرآن کریم میں سب سے زیادہ ذکر ہے۔ صدر مملکت (جناب پرویز مشرف) نے ''جیوش کمیونٹی'' سے خطاب کرتے ہوئے مشترکہ آفاقی واخلاقی اقدار کا ذکر یوں کیا ہے: ''مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان مذہب اور ثقافت میں مشترک چیزیں زیادہ اور مختلف چیزیں کم ہیں۔ مسلمانوں کی تہنیت کے الفاظ ''السلام علیکم (آپ پر سلامتی ہو) یہودیوں کے تہنیتی الفاظ ''شام لو'' جیسے ہیں جس کے معنی ''امن وسلامتی'' ہے۔ میں نے مشہور فلم ''سنڈلرز لسٹ'' دیکھی۔ یہ تلمود کے ایک اقتباس پر ختم ہوتی ہے۔ جس کے الفاظ میں ''ایک بے گناہ انسان کو قتل کرنا پوری انسانیت کو قتل کرنے جیسا ہے اور ایک بے گناہ انسان کی جان بچانا پوری انسانیت کو بچانے جیسا ہے'' یہی الفاظ قرآن کریم میں بھی آئے ہیں۔'' (۲۴۳)

''صدر مملکت نے یہ بھی بتایا کہ ان مذاہب کا بنیادی اخلاقی نظام مشترکہ رجحانات کا حامل ہے۔ انہوں نے ان مشترکہ امور کا ذکر کیا جن کے ذریعے ہم آہنگی کے امکانات ہیں۔'' (۲۴۴)

خلیفہ عبدالحکیم نے مشترکہ قدروں کا ذکر یوں کیا ہے: ''اخلاقیات کے بنیادی عناصر تمام مہذب اقوام اور ادیان عالیہ میں مشترک ہوتے ہی ہیں، مثلاً زنا، چوری، ظلم، قتل ناروا کس مذہب میں جائز ہے''۔ (۲۴۵) اسی طرح عبادات میں بھی اشتراک پایا جاتا ہے۔ مثلاً ''روزہ ہے'' جس کا مشترک ہونا قرآن پاک سے ثابت ہے۔

یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصِّیام کما کتب علی الذین من قبلکم

لعلکم تتقون ٥(٢٤٦)

علامہ قرطبی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے: "اے محمد ﷺ آپ کو وہی دیا گیا ہے، جو دین (توحید، رسالت، صلوٰۃ، زکوٰۃ، روزے اور حج وسچائی راست بازی، ایفائے عہد، امانت میں دیانت، صلہ رحمی، حرمت کفر وقتل، حرمت زنا اور مخلوق خدا کی ایذا رسانی ودلآزاری) حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔(٢٤٧) اسی بات کو قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے یوں ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ (٢٤٨)

امام ترمذیؒ اور دیگر محدثین نے نقل کیا ہے کہ: "جب یہود نے ان نو نشانیوں کے متعلق نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ یہ ہیں۔

١۔ لاتشرکوبه شیاء: (اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ) ٢۔ ولا تسرقوا: (اور چوری نہ کرو) ٣۔ ولا تزنوا: (اور زنا نہ کرو) ٤۔ ولا تقتلو النفس التی حرم اللّٰہ الا بالحق: (اور ناحق کسی جان کو قتل نہ کر۔ مگر جبکہ اس کا حق دیا گیا ہو) ٥۔ ولا تمشوا بیدی الیٰ ذی سلطان لیتقتله: (کسی بے گناہ کو قتل کے لئے حکمران کے پاس نہ لے جاؤ) ٦۔ ولا تسخروا: (اور مذاق نہ اڑاؤ) ٧۔ ولا تقذفوالمحصنت: (اور پاکدامن عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ) ٨۔ ولا تلوالا دبا رعند الزحف: (اور میدان جنگ میں پیٹھ نہ پھیرو) ٩۔ وعلیکم خاصه یہود الا تعتدو فی السبت: (اور اے یہود تمہیں بطور خاص حکم دیا جارہا ہے کہ ہفتہ کے دن میں حد سے نہ بڑھو) یہ سن کر ان دو یہودیوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں چومے اور کہا کہ "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں۔(٢٤٩)

امام فخر الدین الرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "یہ رسول ﷺ کی شریعت دو حصوں میں منقسم ہوتی ہے ایک وہ حصہ ہوتا ہے جو نا قابل منسوخ اور نا قابل تغیر ہوتا ہے: مثلاً امور خیر یہ، صدق وصفا، عدل وانصاف، اور احسان وتشکر، اور امور قبیحہ، دروغ گوئی، ظلم وستم، ایذا رسانی، اور دل آزاری وغیرہ شامل ہیں۔ دوسرا حصہ وہ ہے جس میں تبدیلی ومنسوخی رونما ہوتی رہی ہے۔ اور احکام شریعت متفاوت اور متفرق رہے یا جن میں کمی بیشی واقع ہوتی تھی۔ دین اسلام اور دیگر

ادیان سماویہ سے مختلف اور علیحدہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ جبکہ تمام انسانوں کی طبیعتیں اور فطرتیں یکساں رہی ہیں اور یہ سارے ادیان تنزیل من اللہ ہیں۔" (۲۵۰)

شاہ ولی اللہ رقم طراز ہیں: ان اصل الدین واحد التفق علیه الانبیاء علیهم السلام و انما الاختلاف فی الشرائع والمناهج. (۲۵۱)

"اصل دین ایک ہے۔ جس پر تمام انبیاء متفق ہیں، شرائع اور منہاج میں اختلاف ہے۔"

اتفاق کی باتیں یہ ہیں: "عبادات و استعانت میں اللہ کو ایک سمجھنا۔ اللہ کے شعائر کے ذریعے اس سے قرب حاصل کیا جائے۔ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ: ا۔ تمام حوادث سے پہلے ان کے لئے اللہ کے علم میں ایک اندازہ مقرر ہے۔ ۲۔ اللہ کے فرشتے ہیں جو اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ ۳۔ اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے کتاب اتارتا ہے۔ ۴۔ اللہ اپنے بندوں پر اپنی اطاعت فرض کرتا ہے۔ ۵۔ قیامت مرنے کے بعد کی زندگی، جنت دوزخ سب حق ہیں۔

داعی اعظم ﷺ نے بھی دین اسلام اور ادیان سابقہ کے مابین تسلسل اور یگانگت کی نشاندہی فرمائی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے: "حضرت ابو ہریرہ" فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں دنیا اور آخرت میں تمام لوگوں کی بہ نسبت حضرت عیسیٰ کے زیادہ قریب ہوں، اور آخرت میں تمام لوگوں کی بہ نسبت حضرت عیسیٰ کے زیادہ قریب ہوں ویسے بھی تمام انبیاء علاتی بھائی ہیں اگرچہ ان کی مائیں مختلف ہیں، لیکن ان کا دین ایک ہی ہے۔ (۲۵۲)

قرآن کریم نے بھی ہر مذہب کو بنیادی تعلیم میں وحدت تسلیم کی جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

شَرَعَ لَكُم مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحاً وَالَّذِىْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوسَى وَعِيْسَى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيْهِ (۲۵۳)

تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا جس کی نوح نے وصیت کی اور جس کی وحی ہم نے آپ ﷺ کو بھیجی اور جس کی وصیت ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو کی وہ یہ تھی کہ "الدین" کو قائم رکھو اور اس میں اختلاف نہ ڈالو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: "بے شک ہم نے دنیا کی ہر قوم میں ایک پیغمبر بھیجا (جس کی تعلیم کا خلاصہ یہ تھا) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (سرکش) قوموں سے بچو۔ (۲۵۴)

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ''اے پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول دنیا میں نہیں بھیجا مگر اس وحی کے ساتھ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو۔(۲۵۵)

تہذیب و ثقافت کے مابین مذہبی تقارب و ہم آہنگی کے دلائل: اسلام نے آسمانی مذاہب کے انبیاء اور تعلیمات کو تسلیم کیا ہے۔اسلام نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ مسلمانوں اور دیگر انسانوں کا خدا ایک ہی ہے۔اللہ کو ایک ماننے والے دیگر انسانوں سے مفاہمت کا رویہ اسلام کی پالیسی ہے۔مسلمانوں اور غیر مسلموں کی تہذیبی وثقافت کے مابین جو فکری و نظری اختلافات ہیں وہ علم اور اچھی خواہشات سے دور ہو سکتے ہیں۔ایسے معمولی اختلافات گھریلو معاملات اور ایک ہی تہذیب کے اندر اختلافی مسائل کی مانند یکسو کئے جاسکتے ہیں،انسانوں کے مذہبی، معاشی،تہذیبی،ثقافتی،معاشرتی اور سیاسی اختلافات اسی اصول کے تحت یکسو کئے جاسکتے ہیں کہ ہمارا اللہ ایک ہے نہ کہ ہم میں صرف کسی ایک کا، نہ ہمارے جذبات اور انائیں اور نہ ہی تعصّبات کو وہ حیثیت حاصل ہے جو اللہ کو ہوتی ہے۔ڈاکٹر اسماعیل فاروقی نے تہذیبی اور مذہبی ہم آہنگی کے بارے میں فکر انگیز خیالات پیش کئے ہیں۔

Towards an Islamic Theory of meta-Religion کے زیر عنوان آپ لکھتے ہیں:

> Islam has acknowledged as true the other religion's propgets and founders, their spriptures and teachings Islam has declared its God and God of the religions of Jews and Christians as one and the same. It has leclared the Muslims the assistants friends and supporters of the adherents of the other religions under God.

مذاہب کے مابین اختلافات یکسو کرنے کے لئے آپ لکھتے ہیں:

> Our religious, cultural, social, economic and political differrences may be composed under the

principles the God alone-not our passions out egos, or our prejudices is God.(256)

قرآن کریم نے راہِ راست واضح کردی جو سب کے لئے عام ہے: ان هذا القرآن يهدى للتى هى اقوام (۲۵۷) ''بے شک یہ قرآن راہِ راست دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔'' جو فرد یا قوم راہِ راست پر گامزن ہوتا ہے اس کا اپنا ہی بھلا ہے، چنانچہ فرمایا: من اهتدىٰ فانما يهتدى لنفسه (۲۵۸) جو راہ پر آیا وہ اپنے ہی بھلے کو راہ پر آیا۔ اچھے اعمال کے بارے میں خوشخبری اور برے افعال کی پاداشت اور برے افعال کی پاداش میں عذاب سے ڈرانا جملہ انبیائے کرام کا وطیرہ رہا ہے۔ چنانچہ فرمانِ خداوندی ہے: وان من اُمة الاخلاف فيها نذير (۲۵۹) ''اور جو کوئی گروہ تھا سب ہی ایک ڈرانے والا گزر چکا۔'' مختلف اقوام کے لئے مبعوث ہونے والے انبیاء کے بارے میں ڈاکٹر فاروقی لکھتے ہیں:

Some of those prophets are widely Known others are not. So neither the Jewish nor the Christain nor the Muslim ignorance of them implies their nonexistance. Thus the whole of makind, past and present is capable of religious merit and felicity as of detmerit and domination because of the universality of prophecy.(260)

آنحضرت ﷺ نے اسلامی ریاست کی تشکیل کے آغاز میں میثاق مدینہ کا اہتمام کرکے یہ ثابت کیا کہ اسلام دیگر مذاہب اور تہذیبوں سے مفاہمت کرسکتا ہے۔

This event was of capital imeertance for the relation of Islam to other religions, and non-Muslims of all times and places. The constitution was a convenantl, whose guarantor was Allah (SWT) between the prophet (SAW), the

Muslims and the Jews it abolished the tribal system of Arabia under which the Arab detined himself and by which society was governed.(261)

تہذیب و ثقافت اور سائنس کے مابین تقارب و ہم آہنگی: تہذیبی وثقافتی ہم آہنگی کا تصور اجاگر کرنے کے بارے میں مورس بوکائیکا یہ تنقیدی نقطہ نظر قابل غور ''توحید پر عقیدہ رکھنے والے تینوں مذاہب میں سے ہر ایک کا اپنے صحائف کا مجموعہ موجود ہے۔ اہل ایمان کے لئے خواہ یہودی ہوں خواہ نصرانی اور خواہ مسلمان یہ صحیفے ان کے عقائد کی بنیاد ہیں۔ وہ ان کے لئے الہام وتنزیل کی تحریری شکل ہیں۔ خواہ الہام براہ راست ہوا ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم اور موسیٰ کا معاملہ ہے کہ انہیں باری تعالیٰ سے احکام ملے خواہ بالواسطہ طور پر ہوا ہو جس طرح حضرت عیسیٰ کے سلسلہ میں ہوا۔(۲۶۲)

تہذیب وثقافت کے مابین ہم آہنگی کے علاوہ تہذیب اور سائنس کے مابین مطابقت بھی پائی جاتی ہے۔ بوکائے لکھتے ہیں ''ہمارے علم اور اسلام کے نقطہ نظر سے تہذیب اور سائنس کی حیثیت ہمیشہ دو جڑواں بہنوں کی سی رہی ہے۔ شروع ہی سے اسلام نے حصول علم کی ترغیب دی اور اس کا نتیجہ یہ رہا ہے کہ اسلام میں تمدن کے دور عروج میں سائنس نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ جس سے نشاۃ ثانیہ سے قبل خود مغرب نے بھی استفادہ کیا ہے۔(۲۶۳)

عصرحاضر میں تہذیب و ثقافت اور مذہب کے مابین تقارب و ہم آہنگی وقت کا اہم تقاضہ: وقت کا یہ اہم تقاضہ ہے کہ مذہب اور جدید دور کی ثقافت کے مابین ہم آہنگی کی اساس کا تعین کیا جائے۔ اس بارے میں جناب محمد اسد کا یہ نقطہ قابل غور ہے:

We have to discover the motive forces of both civilizations the Islamic and that of the modern and then to investigate how far a co-operation is possible between them. As an Islamic civilization is essentially a religious one, we must, first of all

try to define the general rule of religion in human life.(264)

مذہبی قانون کی فطرت کے منصوبہ سے مطابقت کے بارے میں جناب اسد لکھتے ہیں:

The religious man knows that what ever happens to him and within him can never be the result of a bilind play of forces without conciousness and purpose, he believes it to.be the outcome of God's concious will alon and theretore organically integrated with a universal plan.(265)

اسلام دنیا اور آخرت میں ایک ربط پیدا کرتا ہے اور اتحاد وہم آہنگی کا نظام قائم کرنا چاہتا ہے اس اتحاد اور ہم آہنگی کی اصل اللہ تعالیٰ خود ہیں۔ جناب اسد رقم طراز ہیں:

The wordly life is not regarded as mere mepty shell, as a meaningless shade of the hereafter that is to come, but as self- contained, positive entity, God himself is a unity not onin essence, but also in purpose" and therefore, his creation is a unity possibly in essence, but certainly in purpose.(266)

تہذیب و ثقافت اور انسانی برادری کے مابین تقارب و ہم آہنگی کا قیام عصر حاضر سب سے اہم ضرورت:

عصر حاضر کا سب سے اہم تقاضہ یہ ہے کہ ہم بین التہذیبی و عالمی اتحاد تقارب وہم آہنگی کو فروغ دیں، سب کو ساتھ لے کر چلنے کا جذبہ رکھتے ہوں اور ہمارے اندر عفوو درگزر، تحمل و برداشت رواداری کے ساتھ تحقیق وجستجو کا مادہ ہو، ہر مسلمان اپنی جگہ چلتا پھرتا میڈیا ہو اور ہماری سوچ کا محور زمین اور زمین کے اندر آسمان اور ان کی وسعتوں اور حقیقتوں کی تلاش اور بحر و بر کا ہمارے لئے

مسخر ہونا ہے۔

ویتفکرون فی السموات والارض (۲٦۷) اور زمین و آسمان کی تخلیق میں غور کرتے ہیں۔

و حملنھم فی البر والبحر (۲٦۸) اور ہم نے بحر و بران کے لئے مسخر کر دیئے۔

کا ہم صحیح معنوں میں مصداق بن سکیں۔ وطن عزیز اور عالم اسلام کا دفاع حکمت و بصیرت اور فکر و دانائی کے ساتھ کریں، کیونکہ جس طرح غلط فہمی کی بنیاد پر اور منفی پروپیگنڈے کے زور پر عالم اسلام کے خلاف منفی قوتیں سرگرم عمل ہیں۔ ہمیں انتہائی تدبیر اور ہوشمندی سے نہ صرف اسے زائل کرنا ہے بلکہ وطن عزیز اور عالم اسلام کو بچاتے ہوئے اسلام کو روشن، درخشاں اور اعتدال پسند مذہب کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے، جو سب کو ساتھ لے کر چلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

پرامن بقائے باھمی کیلئے عالم انسانیت کے مابین تھذیبی و ثقافتی ھم آھنگی

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی ☆ اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

اسلام کی رحمت و شفقت کا دائرہ کسی خاص طبقہ اور کسی خاص قوم ملت تک کے لئے محدود نہیں، بلکہ پورے عالم انسانیت تک وسیع ہے۔ اس نے ساری مخلوق کو خدا کا کنبہ مانا ہے اور تمام مخلوق کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا حکم دیا ہے: الخلق کلھم عیال اللہ فاحت الخلق عند اللہ من احسن الی عیالہ (۲٦۹)

ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اس کے نزدیک سب سے پسندیدہ مخلوق وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ نیکی کرے۔ تمام انسانوں کو انسانیت کے رشتہ سے بھائی مانا ہے، اور ان کو بھائیوں کی طرح اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہنے کی تلقین کی ہے: لا تقاطعو اولا بروا ولا تبا غضوا ولا تحاسدو اکونو اعباد اللہ اخوانا (۲۷۰)

ایک دوسرے سے تعلقات منقطع نہ کرو، ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو، ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، اور ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور خدا کے بندے، بھائی بھائی بن جاؤ۔ ہر انسان کو

دوسرے انسان کے ساتھ رحم و کرم کی تعلیم دی ہے، جو انسان دوسرے انسان پر رحم نہیں کرتا وہ رحمت خداوندی کا مستحق نہیں ہے۔ارحمو امن فی الارض یرحمکم من فی السماء (۲۷۱) تم لوگ زمین کے رہنے والوں پر رحم کروتو آسمان والاتم پر رحم کرے گا۔جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اس پر اللہ بھی رحم نہیں کرتا (۲۷۲) کوئی مسلمان اُس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک سب کی بھلائی نہ چاہے۔(۲۷۳) تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک دوسروں کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، اور جب آدمی کسی کو دوست رکھے تو اللہ کے لئے دوست رکھے۔(۲۷۴) احسن کما احسن اللہ الیک (۲۷۵) ''تم دوسروں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کروجیسا کہ اللہ تمہارے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔''

اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ سب کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا چاہئے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جہاں بھی جاؤ اللہ سے ڈرتے رہو، کوئی برائی سرزد ہوجائے تو کوئی ایسا نیک کام کروجو اس کو مٹادے، اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ۔(۲۷۶)

احترام مذاہب کا اسلامی فلسفہ: بین التہذیبی و ثقافتی نقارب و ہم آہنگی کی اساس: اسلامی تعلیمات احترام آدمیت مذاہب پر مبنی ہیں۔اہل ایمان کو حکم دیا گیا کہ تم دیگر مذاہب کے معبودوں کو برا نہ کہا کرو۔ قرآن کریم نے صاف بیان فرمادیا کہ: ولا تسبو الذین یدعون من دون اللّٰہ: (یعنی اے مسلمانو!) تم ان کے ان معبودوں کو برا بھلا مت کہو، جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسلام میں کسی دوسرے مذہب کو برا بھلا کہنا یا طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا بالکل ممنوع ہے۔ابتدائے اسلام سے ہی تسلیم کرلیا گیا تھا کہ تمام مذاہب خواہ آسمانی ہوں، یا غیر آسمانی ہوں، ان کے مذہبی رجحانات اور جذبات پر کسی قسم کا طعن کرکے انہیں مجروح نہیں کیا جاسکتا۔(۲۷۷) مثلاً اہل کتاب اور اہل توحید میں کہاں تک اشتراک عمل کی راہیں نکل سکتی ہیں، اسلام ان میں مل جل کر رہنے کا حکم دیتا ہے۔قرآن کریم میں فرمایا:

قل یآ ھل الکتاب تعالو الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللّٰہ ولا نشرک بہ شیئا و لا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللّٰہ۔(۲۷۸)

''یعنی اے اہل کتاب، جو بات ہم دونوں میں متفق علیہ ہے، آؤاس پر تو مل کر عمل کریں۔

یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کچھ لوگ دوسرے لوگوں کو اللہ کے سوا پالن ہار نہ سمجھیں گے۔'' قرآن حکیم میں مذہبی عبادت گاہوں کے احترام میں ایک ایسا اشارہ بھی ملتا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبادت گاہیں خواہ مسلمانوں کی ہوں، یا غیر مسلموں کی سب کی سب یکساں محترم ہیں۔ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے صحیفہ وحی یعنی قرآن مجید پر ایمان لائے، لیکن اس کے لئے قرآن مجید میں بھی لازمی قرار دیا گیا ہے کہ وہ دوسری آسمانی کتابوں کی صداقت کو بھی تسلیم کرے۔ (۲۷۹) علامہ سید سلیمان ندویؒ رقم طراز ہیں: ''حقیقت میں اسلام کی یہ تعلیم دنیا کی مہتم بالشان تعلیم میں سے ہے جس کا وجود کسی دوسرے مذہب میں نہ تھا۔ یہ رواداری، بے تعصبی اور عام انسانی اخوت کی سب سے بڑی تعلیم ہے۔ (۲۸۰)

اسلام ایک ایسا دین ہے جو کسی بھی تہذیب کو بری نگاہ سے نہیں دیکھتا، بلکہ تمام آسمانی مذاہب کی تصدیق کرتا اور ان کے پیروکاروں کو مکمل آزادی دیتا ہے کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں، یہودیت اور عیسائیت کی طرح وہ اپنا دروازہ طالب ہدایت کے لئے بند نہیں کرتا، بلکہ ہر وقت کھلا رہتا ہے، مگر کسی بھی غیر مسلم کو جو مسلم حکومت کے زیر نگین زندگی کو گزار رہا ہو، مجبور نہیں کرتا کہ وہ اسلام قبول کرلے۔ **لاکراہ فی الدین** (۲۸۱) دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں۔ اس حوالے سے قرآنی تعلیمات ملاحظہ ہوں: نبی اکرم ﷺ اللہ کا آخری پیغام دنیا میں لائے تو آپ ﷺ کو یہ حکم ملا کہ آپ ﷺ کا کام صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دینا ہے اور بس: **ان علیک الا البلاغ** (۲۸۲) آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔ **الست علیھم بمصیطر** (۲۸۳) آپ ﷺ ان پر مسلط نہیں ہیں۔

دور نبوی ﷺ کے معاہدات امن و صلح میں بین التہذیبی و بین الثقافتی تقارب وہم آہنگی کی آئینہ دار: رسول اکرم ﷺ کی سیرت مقدسہ اور احیات طیبہ میں غیر مسلموں سے حسن سلوک اور تعلقات کے حوالے سے بے شمار نظائر اور مثالیں ملتی ہیں، جن سے نہ صرف دور حاضر بلکہ انسانی تاریخ کے ہر دور میں پر امن بقائے باہم کی بنیاد پر تعلقات اور معاہدات کی بنیاد فراہم ہو ہوتی ہے، تحمل و برداشت، عفو و درگزر، رواداری کے قیام سے انتہا پسندی کے خاتمے میں بھرپور مدد مل

سکتی ہے۔ ان معاہدات میں میثاق مدینہ، صلح حدیبیہ فتح مکہ اور معاہدۂ نجران کو کلیدی اور بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ ذیل میں بین التہذیبی عالمی اتحاد، قربت و ہم آہنگی، انتہاپسندی کے خاتمے اور رواداری کے فروغ کے حوالے سے ان کا تاریخی، تحقیقی اور تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

میثاق مدینہ: مذہبی رواداری، تہذیب و ثقافت و تقارب و ہم آہنگی کا تاریخ ساز منشور: ہجرت مدینہ کے بعد رسول اکرم ﷺ نے یہود مدینہ کے ساتھ وہ تاریخ ساز معاہدہ کیا جو رواداری، مذہبی فراخ دلی کی ایک روشن مثال ہے۔ یہ تاریخی معاہدہ محسن انسانیت کی دینی اور سیاسی بصیرت اور مذہبی رواداری کا شاہکار ہے، جس سے اسلامی سوسائٹی کے مقاصد پرامن بقائے باہم، رواداری، قیام امن اور اعلیٰ انسانی اقدار کے تحفظ میں بھرپور مدد ملی۔ ایک مثالی اسلامی تہذیبی ریاست کی تاسیس جہاں ہر فرد کو بلاتفریق مذہب وملت عقیدہ وعمل کی مکمل آزادی حاصل ہو، ہر فرد کو مذہبی اور معاشرتی حقوق حاصل ہوں۔ یہ سرکار دو عالم ﷺ کا وہ تاریخ ساز کارنامہ ہے جس کی مثال تاریخ عالم پیش نہیں کرسکتی۔ اس تاریخی معاہدے کے نتیجے میں مدینے سے انتہاپسندی کا خاتمہ ہوا۔ امن کا قیام عمل میں آیا۔ تمام مذاہب کے پیروکاروں کو عقیدہ و مذہب کی آزادی حاصل ہوئی۔ مذہبی آزادی اور رواداری کا اصول وضع ہوا۔ (۲۸۴) ڈاکٹر محمد حمید اللہ (مرحوم) نے میثاق مدینہ کے متن، اہمیت اثرات پر بہت عمدہ اور تحقیقی بحث کی ہے۔ (۲۸۵) اس حوالے سے متعدد مغربی مصنفین کے مصادر اور مقالہ نگاروں کے حوالے بھی کئے ہیں۔ (۲۸۶) ''میثاق مدینہ'' میں واضح اور دوٹوک الفاظ اس امر کی صراحت کردی گئی ہے کہ غیر مسلم یہودیوں کو ان کے دین کی پوری آزادی ہوگی، چنانچہ ایک دفعہ کے الفاظ ہیں: للمسلمین دینھم وللیھود دینھم (۲۸۷)

''یعنی مسلمانوں کے لئے مسلمانوں کا دین اور یہودیوں کے لئے یہودیوں کا دین ہے۔''

یعنی مدینے میں جتنے بھی باشندے آباد تھے، ان کو دینی، عدالتی اور قانونی آزادی کا اطمینان دلایا گیا تھا۔ میثاق مدینہ میں دینی تہذیبی اعتقادی اور معاہداتی وحدت کا تصور بھی دیا گیا۔ جس کی پہلے کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس میثاق میں شریک ہونے والے فریقوں کو میثاق میں شریک ہونے والے فریقوں کو میثاق مدینہ آرٹیکل نمبر ۳۰ میں قرار دیا گیا کہ: وان یھود بنی عوف امة مع المؤمنین، للیھود دینھم وللمسلمین دینھم اور بنی عوف کے یہودی مومنین کے ساتھ

سیاسی وحدت تسلیم کئے جاتے ہیں۔ یہودیوں کے لئے ان کا دین اور مسلمانوں کو ان کا دین۔ میثاق مدینہ میں تمام ریاستی طبقات کے ساتھ برداشت، بقائے باہمی اور احترام ووقار کا سلوک روا رکھنے پر آپ ﷺ کی صلح جوئی، اعلیٰ ظرفی اور معتدل مزاج قیادت کا تصور ابھرا۔ میثاق مدینہ میں تمام ریاستی طبقات کے ساتھ برداشت، بقائے باہمی اور احترام ووقار کا سلوک روا رکھنے پر آپ ﷺ کی صلح جوئی، اعلیٰ ظرفی اور معتدل مزاج قیادت کا تصور ابھرا۔ میثاق مدینہ کے تحت ریاست مدینہ میں ایک عادلانہ اور منصفانہ معاشرے کا قیام ممکن ہوا۔ معاہدے کی بدولت مذہبی آزادی اور رواداری کا اصول وضع ہوا۔ نیز جن بنیادوں پر غیر مسلموں سے اتحاد وتعاون ہوسکتا ہے، اس کی نشاندہی ہوئی۔ (۲۸۸) ''میثاق مدینہ'' کی متعدد دفعات میں طے کیا گیا۔ غیر مسلموں کے لئے ان کا دین اور اموال ہیں، انہیں دین اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (۲۸۹) اگر غیر مسلموں کو ظلم کا نشانہ بنایا جائے تو مملکت کی یہ ذمے داری ہوگی کہ وہ اسی طرح ان کی امداد کرے جس طرح ہر مظلوم مسلمان کی مدد کی جاتی ہے۔ طے پایا کہ یہودیوں میں سے جو ہماری اتباع کرے گا اسے امداد ومساوات حاصل ہوگی، نہ ایسے لوگوں پر ظلم ہوگا اور نہ ان کے خلاف کسی کو مدد دی جائے گی۔ (۲۹۰)

اس تاریخی معاہدے کی بدولت بقول ولیم میور آپ ﷺ نے ایک عظیم مدبر اور سیاست دان کی طرح مختلف الخیال اور باہم منتشر لوگوں کو متحد اور یکجا کرنے کا کام بڑی مہارت سے انجام دیا، آپ ﷺ ایک ایسی ریاست اور معاشرے کے قیام میں کامیاب ہوئے جو بین الاقوامیت کے اصول پر مبنی تھا۔ (۲۹۱) بدامنی، انتہاپسندی، جبر وتشدد اور جنگی جنون کے حامل عرب جاہلی معاشرے میں یہ اتنا تعجب خیز انقلاب تھا، جسے مغربی ہیل نے سیاست نبوی ﷺ کا اعجاز قرار دیتے ہوئے اسے رسول اکرم ﷺ کی سیاسی بصیرت کا شاہکار اور امن پسندی کا نمونہ قرار دیا ہے۔ (۲۹۲)، عرب محقق اور سیرت نگار محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں: ''یہ وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت رسول اکرم ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرے میں قائم فرمایا، جس سے شرکائے معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ ومذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا، انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی۔ (۲۹۳)

صلح حدیبیہ: پرامن بقائے باہمی تہذیب و ثقافت و ہم آہنگی اور اعتدال پسندی کا مثالی نمونہ

''معاہدۂ حدیبیہ'' کی ایک دفعہ پر سرسری نظر ڈالنے سے اندازہ ہوگا کہ نبی رحمت ﷺ امن و صلح کے کتنے خواہش مند تھے۔ معاہدۂ حدیبیہ میں طے پایا کہ: ۱۔ مسلمان اس سال بغیر عمرہ ادا کئے واپس چلے جائیں۔ ۲۔ آئندہ سال آئیں اور وہ بھی صرف تین دن کے لئے۔ ۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں، صرف تلوار ساتھ لائیں وہ بھی نیام میں۔ ۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں، انہیں ساتھ نہ لے جائیں اور اگر کوئی مدینے کا مسلمان باشندہ مکہ میں ٹھہرنا چاہے تو اسے نہ روکیں۔ ۵۔ اہل مدینہ میں سے کوئی شخص مدینے چلا جائے تو اسے واپس کردیا جائے، لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں آجائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ ۶۔ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں، وہ جائیں۔ ۷۔ طے پایا کہ دس سال تک مسلمان اور قریش باہم جنگ نہیں کریں گے۔ (۲۹۴)

بہ ظاہر معاہدۂ حدیبیہ کی تمام شرائط یک طرفہ تھیں اور ان پر عملدرآمد بھی بعید از انصاف۔ چنانچہ قریش مکہ نے معاہدۂ حدیبیہ کی تحریر کے وقت ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' لکھنے پر اعتراض کیا، حضور اکرم ﷺ نے اسے قبول کرتے ہوئے قریشی روایات کے مطابق ''باسمک اللھم'' لکھوادیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ ''رسول اللہ'' لکھنے پر اعتراض کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کی جگہ ''محمد بن عبداللہ'' تحریر کروایا۔ (۲۹۵) یہ معاہدہ رسول اکرم ﷺ کی امن پسندی، رواداری اور انسان دوستی کا شاہکار ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا: انا فتحنا لک فتحامبینا (۲۹۶) آیت نازل کرکے اس کا اعلان فرمایا۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ ''صلح حدیبیہ'' ایسی عظیم الشان فتح تھی کہ اس سے قبل اس شان کی فتح نصیب نہیں ہوئی۔ باہم جنگ کی وجہ سے دو فریق آپس میں مل نہیں سکتے تھے۔ صلح حدیبیہ کی وجہ سے جنگ ختم ہوئی، امن قائم ہوا اور جو مسلمان اب تک مکہ میں اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کرسکتے تھے وہ اعلانیہ احکام اسلام پر عمل کرنے لگے، باہمی منافرت اور دشمنی دور ہوئی۔ بات چیت کا موقع ملا، اسلامی مسائل پر گفتگو اور مناظرے کی نوبت آئی، مشرکین مکہ نے قرآن کریم کو سنا، جس کا اثر یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ آغازِ اسلام اور بعثت نبوی ﷺ سے لے کر اس وقت تک اتنے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ (۲۹۷)

فتح مکہ: بین التہذیبی و بین الثقافتی اور احترام انسانیت کا شاہکار: پیغمبر رحمت، محسن انسانیت ﷺ کی حیاتِ طیبہ عفوو درگزر، تحمل و بین التہذیبی و بین الثقافتی برداشت سے عبارت ہے، تاہم اس کا تاریخ ساز موقع ''فتح مکہ'' رمضان ۸ھ جنوری ۶۳۰ء ہے کہ جب آپ ﷺ کو اپنے بدترین دشمنوں، کفار مکہ پر کامل اختیار اور اقتدار حاصل تھا، اس تاریخی موقع پر محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں عفو و درگزر، تحمل و برداشت اور رواداری کا وہ تاریخی اور شاندار نمونہ نظر آتا ہے جو فتوحات کی پوری انسانی تاریخ آپ ﷺ کو ممتاز کرتا ہے(۲۹۸)

آپ ﷺ نے اس موقع پر تمام امیدوں اور تصورات کے برخلاف رواداری پر مبنی مثالی انقلابی اعلان فرمایا: **الیوم یوم المرحمۃ (۲۹۹)**

''آج تو رحم وکرم، عفوودرگزر اور ایثار کا دن ہے، آج عفو عام کا دن ہے۔'' فتح مکہ کے سلسلے میں ابن اسحاق نے یہ روایت ذکر کی ہے:

ان رسول اللہ ﷺ لما انتھی الی ذی طوی وقف علی راحلتہ وان رسول اللہ ﷺ لیضع راسہ تواضعاً للہ حین رأی ما اکرمہ اللہ بہ من التفح حتی ان عتنونہ لیکاد یمس واسطۃ الرحل (۳۰۰)

جب رسول ﷺ وادی ذی طویٰ میں پہنچے اور آپ ﷺ نے دیکھ لیا کہ اللہ نے آپ کو فتح سے سرفراز کیا ہے تو آپ ﷺ نے ازراہ تواضع اپنی سواری پر سر جھکا لیا اور یہاں تک جھکے کہ آپ ﷺ کی ٹھوڑی قریب تھی کہ کجاوے کی لکڑی سے لگ جاتی۔

Spirit of Islam کے مصنف سید امیر علی لکھتے ہیں: بالکل بجا طور پر کہا گیا کہ فتوحات کی تاریخ میں اس فاتحانہ دور کی کوئی مثال نہیں ملتی۔(۳۰۱) ہندو سیرت نگار سوامی لکشمن پرشاد کہتا ہے: جذباتِ صلح و آشتی کا ایسا بدیع المثال نمونہ تاریخ کے صفحات پیش کرنے سے قاصر ہیں۔(۳۰۲) یورپین دانشور آرتھر گلیمن بیان کرتا ہے: ''محمد ﷺ کی فتح درحقیقت دنیا کی فتح تھی، سیاست کی فتح تھی، انہوں نے ذاتی مفاد کی ہر علامت کو مٹا ڈالا اور ظالمانہ نظام سلطنت کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔(۳۰۳) ایک اور یورپین دانشور اپنے تاثرات یوں قلمبند کرتا ہے: ''یہ ایک عجیب وغریب منظر تھا، ایسا عجیب وغریب جس کی کوئی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ حقائق دراصل

حقائق ہیں اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دشمنوں پر فتح کا دن درحقیقت حضور اکرم ﷺ کا اپنے نفس پر سب سے زیادہ قدرت کا دن تھا، انہوں نے انتہائی فراخ دلی سے قریش مکہ کے تمام مظالم کو معاف کر دیا، مکے کی ساری آبادی کو پناہ دی۔ (۳۰۴)

آرتھر گلمین رقم طراز ہے: ''حضرت محمد ﷺ حد درجہ قابل تعریف ہیں کیونکہ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنے مخالفوں کی سابقہ بدسلوکی اور قدرتی طور پر اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی انتقام خیز ناراضگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی افواج کو ہر قسم کی خوں ریزی سے روکا'' Arthurgillman Saracens, p.104 سٹین لین پول لکھتا ہے: ''فتح مکہ کے موقع پر حضرت محمد ﷺ کی اپنے دشمنوں پر عظیم فتح کا دن ان کے عظیم ترین ضبط نفس کا بھی تھا۔ قریش کفار مکہ نے جن کو برسہابرس اپنی مختلف تکلیفوں اور نفرت وحقارت کا نشانہ بنایا، انہوں نے قریش کو معاف کر دیا اور اہل مکہ کو بھی عام معافی سے نوازا۔ (۳۰۵)، ہندو سیرت نگار سوامی لکشمن پرشاد لکھتا ہے: ''یہ وہ فقید المثال مظاہرہ اور واقعہ ہے جس کا جواب تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی۔ (۳۰۶) آپ نے تمام توقعات اور امکانات کے برعکس نہایت وضاحت کے ساتھ کامل تہذیبی تمدنی اور عفو عام کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں فرمایا: الیوم یوم المرحمة (۳۰۷)

آج تو رحم وکرم، عفو ودرگزر اور ایثار رواداری کا دن ہے، آج عفو عام کا دن ہے'' اس طرح فتح مکہ کے موقع پر آپ ن اپنے بدترین دشمن کفار اور مشرکین مکہ سے حسن سلوک، مثالی تہذیبی اور تمدنی وہم آہنگی، کا مظاہرہ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ آپ ﷺ دونوں جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں:

سلام اس پر کہ اسرار محبت جس نے سمجھائے ۔۔۔ سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں ۔۔۔ سلام اس پر کہ جس نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں (۳۰۸)

سید امیر علی مغرب مصنف گوبینیو کے حوالے سے معاہدۂ نجران پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مندرجہ بالا دستاویز تمام مسلم فرماں رواؤں کے لئے غیر مسلم رعایا کے ساتھ سلوک کے بارے میں ایک ہدایت نامہ رہی ہے اور اگر کسی فرماں روا نے اس سے انحراف کیا ہے، تو اس کا

سبب اس فرماں رواں کی شخصی سیرت میں پایا جاتا ہے۔ اسلامی نظام نے فی نفسہ ہمیشہ پوری پوری تہذیبی رواداری کو قائم رکھا ہے، عیسائیوں اور یہودیوں سے اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کے بارے میں کبھی مزاحمت نہیں کی اور انہیں کبھی تبدیلی مذہب پر مجبور نہیں کیا گیا۔(۳۰۹)

دنیا کی تہذیب پر اسلامی تہذیب وثقافت کا اثر

یہ مسلمہ تاریخی امر ہے کہ دنیا میں صرف ایک ہی دین اسلام ہے، جس نے تہذیب وتمدن کے ہر دور میں انسانی افکار اور کردار پر اثر کیا۔ چنانچہ جون مرفی اپنی کتاب میں اس حقیقت الامر کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اسلامی تعلیمات نے انسانی ذہن کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔(۳۱۰) مسٹر ایف شپگل برگ اپنی کتاب میں رقم طراز ہے کہ اسلام نے روحانیت اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا ایک ایسا مضبوط اور ہم آہنگ نظام قائم کیا ہے۔ جس نے صدیوں تک انسانیت کی رہنمائی اور اقامت کا فریضہ سرانجام دیا۔(۳۱۱) جوخم واخ Joachim Wach اپنی کتاب میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ اسلام ایک ایسی زندہ قوت ہے جو ہزارہا ابتلاؤں اور آزمائشوں کے باوجود اب بھی ایک متحرک تہذیب کی پاسبان ہے۔(۳۱۲)

اسلامی تہذیب و ثقافت کا اثر ایشیاء پر: مشہور افریقی لیڈر مالکم ایکس Malcalum-x اپنی خودنوشت سوانح میں مسلم معاشرہ اور اسلامی تہذیب کی عطا کردہ وحدت ومساوات کو اس طرح بیان کرتا ہے: ''ان اسلامی ملکوں میں پچھلے گیارہ دنوں سے میں نے ایک ہی پلیٹ میں کھانا کھایا ایک ہی گلاس میں پانی پیا ہے اور انہیں کے ساتھ ایک ہی قالین پر سویا ہوں۔ میں نے ان میں وہی خلوص پایا ہے جس کا احساس مجھ کو نائیجریا، اور گھانا کے کالے افریقی مسلمانوں میں ہوا تھا۔ ہم سب بھائی بھائی تھے، کیونکہ اللہ پر ایمان نے ہمارے دین، رویہ، اور برتاؤ سے ''گوری رنگت'' کو حذف کر دیا تھا۔ میری سمجھ میں آ گیا کہ اگر ''امریکہ'' کے لوگ توحید پر ایمان لے آئیں تو شاید وہ بھی انسانی وحدت کو قبول کر لیں اور دوسرے لوگوں کا موازنہ، مخالفت، دشمنی، رنگ کی بنیاد پر کرنا بند کر دیں۔ میں نے یہ بات گرہ میں باندھ لی کہ میں امریکہ کے لوگوں کو بتاؤں گا کہ یہاں ہر رنگ کے انسانوں میں حقیقی بھائی چارہ ہے، یہاں کوئی شخص اپنے آپ کو الگ تھلگ محسوس نہیں کرتا نہ کسی میں احساس برتری ہے نہ کسی میں احساس کمتری''۔(۳۱۳)

اسلامی تہذیب و ثقافت کے اثرات و احسانات ہندوستان پر: مشہور ہندوستانی فاضل پانیکر اسلامی تہذیب و ثقافت کے ہندوستانی ذہن وفکر پر اثرات کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ ہندو مذہب پر اسلامی عہد میں اسلام کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ ہندوؤں میں اللہ کی عبادت کا تصور، اسلام کا نتیجہ ہے۔ اس عہد میں فلسفہ مذہب کے قائدین نے اگرچہ اپنے معبودوں کے مختلف نام رکھے، مگر انہوں نے اللہ کی عبادت کی دعوت دی اور خدا کے ایک ہونے کی صراحت کی جو عبادت کا مستحق ہے اور جس سے نجات وسعادت طلب کی جانی چاہئے۔ یہ تاثیر، عہد اسلامی کے ہندوستان کے مذاہب وتحریکات میں بھی ظاہر ہوئی، بھگتی اور کبیر داس کی تحریکات'' (۳۱۴)

مشہور ہندو فاضل ڈاکٹر تاراچند ہندوستان پر اسلامی اثرات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:
''خلافت کے زمانہ میں عرب (جنوبی ہند) کے ساحلوں پر سیاحوں کی حیثیت سے آچکے تھے اور اپنے ہم مذہب افغان، ترک اور منگول فاتحین کے آنے سے پہلے تجارتی تعلقات اور میل جول قائم کر چکے تھے، ملک کے اس حصہ میں نویں صدی سے بارہویں صدی تک عظیم مذہبی تحریکیں شروع ہوئیں، جن کا تعلق شنکر، رامانج، آنند تیرتھا اور باسوا سے تھا، انہیں کے ذریعہ وہ تاریخی فرقے پیدا ہوئے، جن کی مثال بعد کے ہندوازم میں دور تک نظر نہیں آتی۔

اس کا اعادہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہندوستان کے یہ مذہبی اور فلسفیانہ مکاتب فرداً فرداً قدیم نظامہائے فکر سے ماخوذ تھے لیکن بحیثیت مجموعی اور اپنے خصوصی ترجیحات کے لحاظ سے مذہب اسلام کے اثرات ظاہر کرتے ہیں اور اس طرح اسلام سے اثر پذیر ہونے کے نظریے کو قرین قیاس بناتے ہیں۔ (۳۱۵)

ڈاکٹر تاراچند اپنی ایک دوسری کتاب میں بھگتی تحریک پر اسلامی اثرات کے حوالے سے لکھتے ہیں، ''ایک اور مکتب فکر سنتوں Mystics جس نے عوام کی زبان استعمال کی اور اپنے انقلابی خیالات کی تبلیغ کی، یہ زیادہ تر نچلی ذاتوں سے تعلق رکھتے تھے، اور ان کی تحریک سے محروم عوام کے اوپر اٹھنے کی امنگ کا اظہار ہوتا ہے۔ ان میں سے کچھ کو حکومت کی سختی کا مقابلہ کرنا پڑا۔ کچھ کو سماج کی ناراضگی کا اور کچھ اس لائق نہیں سمجھے گئے کہ ان کا نوٹس لیا جائے۔ لیکن غریب لوگوں میں ان کی بڑی عزت تھی اور ان کی تعلیمات پر بہت ذوق وشوق سے عمل کیا گیا۔ یہ لوگ

احترام انسانیت پر بہت زور دیتے تھے۔ کیونکہ ان کی تعلیمات کی رو سے ہر فرد اپنے علم سے انسانیت کی اعلیٰ ترین سطح تک پہنچ سکتا تھا۔ یہ تحریک پندرہویں صدی میں شروع ہوئی اور سترہویں صدی کے وسط تک باقی رہی۔ لیکن اس کے بعد رفتہ رفتہ زوال پذیر ہوگئی۔ اس کے قائدین ہندوستان کے مختلف حصوں کے باشندے تھے، لیکن ان کی تعلیمات اور عقائد پر اسلام کا اثر واضح طور موجود تھا۔ (۳۱۶)

سکھوں پر اسلامی تہذیب و ثقافت کے اثرات: یہی حال سکھ فرقہ کا بھی ہے، جس نے ہندوستانی معاشرہ اور ملک کے سیاسی وفوجی اور تہذیبی میدان میں اہم کردار ادا کیا ہے، اس فرقہ کی تاریخ سے ہندو مذہب میں اس فرقہ کی نشو ونما کی اصل وجہ دینی عقائد کی تطہیر ہی سامنے آتی ہے۔ ''اس مذہب کے بانی 'باباگرونانک' اسلامی تعلیمات سے بہت متاثر تھے، اور فارسی زبان اور مذہبی معلومات انہوں نے ایک صوفی مسلمان سید حسن شاہ سے حاصل کی تھیں، جو انہیں بہت مانتے تھے، گرونانک کے دوسرے مسلمان شیوخ و اساتذہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جن کی تعداد چھ تک پہنچتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حرمین شریفین کی بھی زیارت کی اور کچھ دن بغداد میں گزارے تھے، ان کا پنجاب کے ایک بڑے پیر طریقت شیخ فرید سے خاص تعلق تھا۔ بابانانک اپنی دعوت و تعلیم میں عقیدہ توحید، مساوارات انسانی، اور بت پرستی کے چھوڑنے پر بہت زور دیتے تھے۔ (۳۱۷) باباگرونانک قرآن کریم کی صداقت پر یقین رکھتے تھے اور اسی کو ذریعہ نجات سمجھتے تھے۔

توریت، زبور، انجیل، ترے پڑھ ڈٹھے یار رہے کتاب قرآن کل یگ میں پرورار (۳۱۸)

''ہم نے توریت، زبور، انجیل پڑھ لی ہیں اور سن لی ہیں، اب رہا قرآن کریم تو وہی سرتاج ہے، اور ذریعہ نجات ہے۔'' ڈاکٹر کے۔ ایس۔ سیتارام کہتے ہیں: ''دنیا کی موجودہ تہذیب صرف اسلامی تہذیب کی بدولت ہے'' (۳۱۹)

اسلامی تہذیب و ثقافت کا اثر یورپ پر: اسلامی تہذیب نے حیاتِ مغرب کے ہر پہلو پر اثر ڈالا۔ اُن لوگوں کے لباس بدل گئے، طور طریقے تبدیل ہوگئے۔ تعمیرات میں مشرقیت آ گئی۔ عورتوں کا احترام بڑھ گیا۔ اور انہوں نے حریص نگاہوں سے بچنے کے لئے نقاب اوڑھ لئے۔ (۳۲۰) مزید تفصیل ملاحظہ ہو: گوسلی کا پہلا نارمن بادشاہ راجر اول

(۱۰۹۱ـ۱۱۰۱ء) مسلمانوں کا شدید دشمن تھا۔لیکن اُس کا لباس اسلامی تھا۔اس کے دربار میں مسلم علماء وحکما بھرے ہوئے تھے۔ اور اس کے احکام عربی، یونانی اور لاطینی میں نکلتے تھے۔ (۳۲۱) راجر دوم (۱۱۰۵ـ۱۱۵۴ء) کے اسلامی لباس پر عربی آیات وامثال لکھی ہوئی تھیں، مشہور جغرافیہ دان الادریسی (۱۱۶۶ء) اسی کے دربار میں رہتا تھا۔مسلم سلاطین کی طرح اس کے ہاں بھی ایک حرم تھا۔جس میں متعدد بیویاں اور کنیزیں تھیں۔ اس کے سکے پر (۳۲۲) یہ عبارت کندہ تھی:

اَلْمُعْتَزُ بِاللّٰه المِلک المُعَظَّمُ رِجار الثانی۔ لا اِلٰه الاَّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شریک لهُ

سپین کا مشہور جغرافیہ دان ابن جبیر (۱۲۱۶ء) ۱۱۸۴ء میں سسلی پہنچا۔وہاں کے بادشاہ کے متعلق لکھتا ہے۔ (۳۲۳) ''سسلی کا بادشاہ (ولیم۔دوم) حیرت انگیز انسان ہے، اس کے خواجہ سرا، باورچی، تمام خدمت گار، وُزرا اور دربان سب کے سب مسلمان ہیں۔ اس کا سرکاری نشان: الحمدللّٰه حق حمدہٖ ہے۔

یورپ پر اسلام کے احسانات غیر مسلموں کی نظر میں:

جوڈ ریپر رقم طراز ہے: ''یورپ کی حیات ثانیہ عربوں کی وجہ سے ہوئی۔ یورپ کی حیات نو کا گہوارہ اٹلی نہیں بلکہ اسپین تھا۔جس وقت یورپ جہالت و بربریت کے تاریک ترین گڑھوں میں گرا ہوا تھا اس وقت بغداد، قاہرہ، قرطبہ اور طلیطلہ سے وہ تہذیب و زندگی نمودار ہورہی تھی جس نے بعد میں آنسانی ارتقا کو اک نئی صورت دی۔'' (۳۲۴) بریفالٹ لکھتا ہے: ''اگر عرب نہ ہوتے تو عصر رواں کی مغربی تہذیب جنم ہی نہ لیتی۔ یورپی نشو ونما کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں اسلامی تہذیب کا یقینی سراغ نہ مل سکے، یہ صحیح ہے کہ عربوں نے کوئی ''کاپرنیکی'' یا ''نیوٹن'' پیدا نہیں کیا لیکن عربوں کے بغیر ''کاپرنیکی'' یا ''نیوٹن'' کا پیدا ہونا ناممکن تھا۔'' (۳۲۵)

مسیحی فاضل J.Bass Mallge نے اسلامی اثرات کے حوالے مقالہ ''مارٹن لوتھر'' میں کہا کہ: ''یورپ کی اپنی تاریخ اور عیسائی کلیسا کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے پاپائی نظام کے مصلحین اور اس کے بانیوں کی نزاعات پر اسلام کے ذہنی وفکری اثرات کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔ سولہویں صدی مسیحی میں برپا ہونے والی لوتھر کی تحریک اصلاح میں بھی اسلامی تعلیمات و تہذیب کا انعکاس ملتا ہے۔ جیسے کسی شیشہ میں دور روشنی کی شعائیں نظر آتی ہیں، اسی طرح قرون وسطیٰ کی قدامت پرستی اور کلیسائی جبر کے دبیز پردوں سے یہ روشنی چھن چھن کر آتی نظر آتی ہے۔

(۳۲۶)لیبان لکھتا ہے: ''جہالت کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے یورپ کی نشاۃِ ثانیہ عربی تہذیب کی مرہون منت ہے۔(۳۲۷)لیبان لکھتا ہے: ''یورپ نے عربوں کی تہذیب حاصل کی، یورپ میں عربوں کے علوم اسپین، سسلی اوراٹلی کی راہ سے پہنچے۔ اگر عربوں کا نام یورپ کی تاریخ سے نکال دیا جائے تو یورپ کی حیات ثانیہ کئی سو سال پیچھے جا پڑتی ہے۔'' (۳۲۸)

اسلام کا معاشرتی اثر یورپ پر: اسلام سے قبل عورت قعرِ مذلت میں گری ہوئی تھی، یورپ میں عورت کو معاشرتی حقوق حاصل نہیں تھے، اب عیسائی دنیا نے اسلامی تہذیب سے متاثر ہوکر عورت کو جائیداد کا مالک ہونے کا حق تسلیم کرلیا ہے، اسی طرح جدید غیر مذہبی قوانین نے عیسائی ملکوں میں طلاق کے حق کو بھی مان لیا ہے گویا اس مسئلوں میں قرآن کریم کی حکمت بالواسطہ تسلیم کرلی گئی ہے، ایک زمانہ تھا کہ جب یورپ میں عورت کے متعلق یہ کہاوت عام تھی کہ مرد خدا کے لئے اور عورت اس خدا کے لئے جو اس کے شوہر کے اندر موجود ہے۔ لیکن اسلام نے عورت کی آزاد شخصیت کو تسلیم کیا ہے۔ اس تعلیم کا یہ اثر ہوا ہے کہ دنیا کے ہر خطے میں عورتوں کی آزادی کے سلسلہ میں تحریکیں اٹھیں وہ کامیابی سے ہمکنار ہوئیں۔ اسی طرح اسلام نے ہمیشہ کے لئے غلامی کی زنجیروں کو کاٹ کر رکھ دیا ہے۔ مغربی ثقافت اور تہذیب کا سرچشمہ اسلامی تہذیب ہے جہالت کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے یورپ کی نشاۃ ثانیہ عربی تہذیب کی مرہون منت ہے۔(۳۲۹)

اسلامی تہذیب و ثقافت کا مغربی تہذیب پر اثر: متذکرہ الصدر عنوان کو ''دنیا کی تہذیب پر اسلامی تہذیب کا اثر'' سے الگ کرکے ان مغرب زدہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے لکھا جارہا ہے۔ جو احساس کمتری کے طور پر مغربی تہذیب کو اپنانا اپنے لئے باعث فخر اور باعث ترقی سمجھتے ہیں۔ ان نوجوانوں کے ذہن میں یہ بات ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ مغرب کی ترقی یافتہ تہذیب نے اسلامی تہذیب سے کیا روشنی حاصل کی ہے۔

علوم فنون پر اثر: ہمارا نوجوان طبقہ مغرب کے سائنسی علوم کی ترقی سے بہت زیادہ مرعوب ہے، جب مغرب کے سائنسی علوم کی ترقی کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ مغربی سائنسی علوم کی ترقی مسلمانوں کی سائنسی تحقیق ومطالعہ کی مرہون منت ہے۔ مسلمان سائنسدانوں نے قدیم یونانی اندازِ فکر میں زبردست تبدیلی پیدا کی۔ یونانی مفکر

سائنسی اصول کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے نظریاتی اور تخیلی طریقہ کار اختیار کرتے تھے۔ مسلمان سائنس دانوں نے سائنس کے نظریہ کو سمجھنے کے لئے مشاہدہ اور تجربہ کے اصول اپنائے۔ انہوں نے تجرباتی اصول کو رواج دے کر دنیائے سائنس میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا۔ رابرٹ بری فالٹ لکھتا ہے: ''راجر بیکن کو تجرباتی اصول کے موجد ہونے کا حق کہیں سے بھی نہیں پہنچتا۔ اس نے صرف اسلامی سائنس اور اس کے طریقوں سے یورپ کو روشناس کیا۔'' آگے چل کر لکھتا ہے: ''سائنس جدید تہذیب کے لئے مسلمانوں کا سب سے بڑا عطیہ ہے سائنس کا جو پودا مسلمانوں نے لگایا تھا وہ ذرا دیر سے بارآور ہوا۔ درحقیقت سائنس عربوں کی مرہون منت ہے۔ انہوں نے ہی اس کو پیدا کیا اور اس کو پروان چڑھایا۔''(۳۳۰) Ecclesiastical History کا مصنف موشین کہتا ہے: اس امر کا اعتراف کرنا چاہئے کہ طبیعات ہو، نجومیات ہو یا فلسفہ، ریاضیات ہو یا کیمیا، وہ تمام معلوم جو دسویں صدی سے یورپ میں پھیلا۔ اصل میں عرب علماء سے حاصل کیا گیا تھا۔''(۳۳۱) جے۔ ایچ کریمر لکھتا ہے کہ: ''علم جغرافیہ دریافت، انکشاف، بین الاقوامی تجارت، نئی جگہوں کے کھوج لگانے اور سیاحت کے میدان میں اہل یورپ مسلمانوں کو اپنا ثقافتی بزرگ جانیں۔''(۳۳۲)

مغربی تہذیب و ثقافت کا اسلامی تہذیب پر اثر: جدید مغربی تہذیب کو بیسویں صدی میں تقریباً ساری دنیا میں غلبہ حاصل ہوگیا۔ اس کا آغاز چودھویں اور پندرہویں صدی میں ہوا تھا۔ اس تہذیب کو پہلے سیاسی غلبہ حاصل ہوا تھا، پھر افکار اور نظریات کو دنیا میں غالب آ گئی۔ اس کا تاریخی نتیجہ یہ بھی نکلا کہ مغربی دنیا کے افکار بھی اسلامی دنیا میں پھیلنے لگے۔ اور مسلمان اسلامی افکار اور نظریات سے دُور ہوتے چلے گئے۔ مغربی تہذیب نے اسلامی تہذیب پر مندرجہ ذیل اثرات مرتب کئے ہیں:

مادیت کا فروغ: مغربی تہذیب کا مزاج حسیّت ہے، یہ تہذیب اپنے دائرہ کار کو محسوسات تک محدود رکھتی ہے۔ یہ تہذیب صرف ان ذرائع کو استعمال کرتی ہے جن میں حواس مددگار ہوں، اس حسی تہذیب کا نتیجہ یہ نکلا کہ مغربی ممالک میں سائنسی انکشافات اور ایجادات کثرت سے ہونے لگیں اور یورپ میں دولت کی ریل پیل ہوگئی۔ ہماری نئی پود اس سے بہت متاثر ہوئی، ان کی زندگی کے تمام شعبوں پر مادیت پرستی چھا گئی اور اپنی مذہبی روایات کو پس پشت

ڈال کر دولت کی دیوی کی پوجا کرنے لگے۔

دین سے بے رخی: یورپی تحریک احیائے علوم کے بعد تعلیم یافتہ طبقہ اہل کلیسا کی تنگ نظری، رجعت پسندی، بداعمالی اور خلاف عقل امور کی اندھی تقلید کی وجہ سے مذہب سے متنفر ہو گئے۔ اس طرح مذہب کو عملی زندگی سے خارج کرنے کے بعد جدید تہذیب کی بنیاد مادہ پرستی پر رکھی۔ جس نے انسان کو آستانہ الوہیت سے بہت دُور پھینک دیا۔ اس لادینی اور مادہ پرستانہ فلسفہ حیات نے اسلامی تہذیب پر اثر ڈالا۔

اخلاقی انحطاط: جب انسانی ذہن سے مذہبی گرفت ڈھیلی ہو جاتی ہے تو انسان کے دل سے خدا خوفی نکل جاتی ہے اور وہ اخلاقی انحطاط کا شکار ہو جاتا ہے۔ مغربی تہذیب کے زیر اثر اخلاقی دائرہ میں نئی پود اخلاقی گراوٹ کی عمیق گہرائیوں میں تیزی سے گرتی چلی جارہی ہے۔ آج اسکولوں اور کالجوں کے طلباء میں بے راہ روی، اخلاقی کمزوریاں، جنسی آوارگی پائی جاتی ہے۔ اخبارات، ٹیلی ویژن، ریڈیو، اشتہارات، گفتگو میں ان سب پر مغربی تہذیب کے اثرات نمایاں ہیں، تمام ذرائع ابلاغ فحاشی اور زنا کاری، آوارگی، آزادانہ اختلاط اور معاشقہ کی تعلیم دے رہے ہیں۔

معاشرتی زندگی کی بیخ کنی: جدید مغربی تہذیب نے اسلامی معاشرتی زندگی کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے، صاف ستھری معاشرتی زندگی کا دارومدار گھریلو زندگی پر ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عائلی زندگی کو اسلامی تہذیب کا خصار قرار دیا ہے۔ آج عائلی زندگی کا نظام درہم برہم ہو گیا ہے، عورتوں مردوں، بچوں، اور بچیوں میں عیش پرستی کے رجحانات تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ جس میں گھریلو زندگی کو جہنم بنا دیا ہے۔ خاندان کے جملہ افراد کے باہمی تعلقات انسانی سطح سے گر کر حیوانی سطح پر آ گئے ہیں۔ باپ جذبات پدرانہ سے عاری ہیں، مائیں جذبات محبت سے خالی ہیں، اس وجہ سے والدین بچوں کی پرورش اچھی تربیت اور تعلیم دینے کو اپنے اوپر بوجھ سمجھتے ہیں۔ آزادی نسواں کے نعرہ کے تحت اسلامی پردہ کو رجعت پسندانہ فعل قرار دیا جاتا ہے۔ زناء اور فحاشی کی ترویج کے لئے مخلوط کلب تعمیر کئے گئے ہیں اور ان کلبوں میں مرد اور عورتیں آتی ہیں اور باہمی رضا و رغبت سے جو چاہتا ہے کہ کرتا ہے، جسے چاہتا ہے ساتھ لے جاتا ہے۔ گویا یہ زنا بالرضا کا ایک اڈہ ہے، جس کا نام کلب رکھ دیا گیا ہے، آزادئ نسواں کے نعرہ نے

اسلامی معاشرتی زندگی کو بری طرح متاثر کیا ہے۔

جذبہ قوم پرستی: اسلام چونکہ بنی نوع انسان کی برادری کا حامی اور موئید ہے۔ یہ وہ پہلا دین متین ہے جس نے بلالحاظ رنگ ونسل کامل مساوات کے اصول پر تمام بنی نوع انسان کو جمع ہونے کی تلقین کی ہے۔ اُنیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں مغربی نظریہ قومیت اسلامی تہذیب پر چھانے لگا، مسلمان مسلم کہلانے کی بجائے عرب یا ایرانی یا پاکستانی یا بنگلہ دیشی وغیرہ کہلانے پر فخر کرنے لگے۔ اس نظریہ نے اسلامی ممالک کے مسلم باشندوں کے اذہان سے مذہب کو خارج کر دیا ہے۔

غلط طریقہ تعلیم: مسلم ممالک میں اس وقت جو تعلیم رائج ہے وہ اسلامی تہذیب اور اسلامی روایات سے آگاہ نہیں کرتی، بلکہ ہمارا تعلق اجنبی تہذیب سے پیدا کرتی ہے، جس کا یہ نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی اذہان سے دینی عقائد برابر مضمحل ہوتے جا رہے ہیں۔ نومسلم محمد اسد مسلم ممالک میں مغرب کے نظام تعلیم کے رائج ہونے کے اثرات پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہے:

''تاریخ کی اس طرح کی تعلیم نوجوانوں کے دماغ میں اس کے علاوہ کوئی اور اثر نہیں چھوڑ سکتی کہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوں، اور اپنی پوری ثقافت اور اپنے مخصوص تاریخی عہد کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگیں اور مستقبل میں ان کے لئے ترقی وخدمت کے جو وسیع اور روشن امکانات ہیں اُن کا انکار کرنے لگیں۔ اس طرح وہ ایک ایسی منظم تربیت حاصل کرتے ہیں جس میں اپنے ماضی اور اپنے مستقبل کی حقارت پورے طور پر کارفرما ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک ان کے مستقبل کی کامیابی صرف اس میں ہے کہ وہ مغربی معیار کے مطابق اور مغرب کے افکار اور اقدار سے ہم آہنگ ہوں۔(۳۲۸) مغربی نظامِ تعلیم نے مسلمان طلبہ کی تخلیقی قوتوں کو ختم کر دیا ہے۔ جو مسلمان طالبعلم اعلیٰ ڈگری حاصل کر لیتا تو اس کی نظریں مادی فوائد پر مرکوز ہو جاتیں۔ اس کا صرف ایک ہی مطمع نظر ہوتا کہ سرکار سے اعلیٰ نوکری مل جائے، یا ''سر کا خطاب'' مل جائے۔

مغربی تہذیب و ثقافت کی معاشرتی بدحالی کا تقابلی جائزہ اسلامی تہذیب سے:

موجودہ دور میں عزت وذلت، بلندی وپستی، اورشرافت وذلالت کے تصورات اور معیار بالکل الٹ کر رہ گئے ہیں، حقائق کو مسخ کرنے اور سچائی کو مشتبہ کرنے کا جو کام عصر حاضر کے نام نہاد ترقی پسندوں کی وجہ سے ہوا ہے وہ تاریخ عالم کا ایسا

تاریک ترین اور شرمناک باب ہے جس کے سامنے تمام سیاہیاں ماند پڑ جاتی ہیں۔

آزادی نسواں کا پرفریب نعرہ: بے شمار مشرقی مسلم خواتین کا اس وقت یہ تصور کہ مغرب میں خواتین کو معاشرے میں نمایاں ترین مقام حاصل ہے، آزادی کی دولت بے بہا میسر ہے، تمام حقوق ملے ہوئے ہیں۔ اور زندگی کی تمام نعمتوں اور رونقوں سے وہ مالا مال ہیں۔ مشرقی خواتین کا مغربی خواتین کے بارے میں یہ تصور دراصل مشاہدہ و تجربہ نہیں بلکہ میڈیا کی فراہم کردہ جھوٹی اطلاعات، خبر رسانیاں، منظر کشی اور پروگراموں پر مبنی ہے۔ میڈیا کے ذریعہ آزادیٔ نسواں کی پرفریب صدا عرصۂ دراز سے لگائی جاتی رہی ہے اور آزادی کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے فوائد اور مغربی خواتین کی پرعیش زندگی کے نمونے مختلف شکلوں میں سنائے، دکھائے اور پیش کیئے جاتے ہیں۔

مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمان خواتین تہذیب مغرب کی تجلیات سے خیرہ ہو کر اسی کی پیرو بن جائیں اور اسلامی اعلیٰ اقدار و اخلاق سے دستکش ہو جائیں، اپنی مذہبی و تہذیبی ذمہ داریوں سے غافل ہو جائیں، اپنے فطری کاموں اور فرائض کو چھوڑ کر یورپ کی بے حجابانہ اور عریاں آزادی کے حصول کے لئے پوری طرح سے سرگرم ہو جائیں۔ اس طرح اپنے دین و مذہب سے مکمل بیگانہ بیزار ہو کر یورپی کلچر میں اس طرح ضم ہو جائیں کہ اسلام کا کوئی اثر ان کے کردار، باطن، سیرت اور صورت و ظاہر اور قول و عمل میں نظر ہی نہ آئے۔ مغربی میڈیا اپنے ان مقاصد میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوا ہے۔ مشہور اسلامی مفکر و اسکالر ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے اپنی کتاب ''المرأۃ الفقہ والقانون'' میں اپنے المناک مشاہدات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''میں نے یورپ کا چار بار دورہ کیا اور ہر بار مجھے سب سے زیادہ دکھ اور رونا اس پر آیا کہ مغربی عورت بڑی حرماں نصیبی کی زندگی گزار رہی ہے، آزادی کے نام پر اسے رسوا کیا جا رہا ہے۔ سینما، ٹی وی، کلرڈ میگزین اور نمائشوں اور ان میں مغربی خواتین کا رول دیکھ کر جو لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں اور اسے آزادی اور بلندی باور کرتے ہیں، درحقیقت وہ بہت کوتاہ بیں ہیں۔ اگر یورپ میں دس عورتیں اونچے مناصب پر فائز اور بلند مرتبہ ہیں تو دوسری طرف وہیں دسیوں ملین عورتیں غلاموں جیسی پابند اور ذلت آمیز شرمناک زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

خاندانی نظام مفلوج: اس ابتر صورت حال کے اصل سبب کا ذکر کرتے ہوئے شیخ سباعی نے لکھا ہے کہ ''اس مادی فلسفہ کا سب سے اہم سبب اور اثر یہ ہے کہ وہاں عورتوں کے تئیں انسانیت، اکرام، محبت اور مودت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ اولاد کی صحیح تربیت ہے اور نہ اولاد کے نزدیک والدین کا احترام، بلکہ پورا خاندانی نظام مفلوج و منتشر ہے۔ صورت حال ہر لحاظ سے قابل تشویش ہے۔ امریکہ کی ۵۶ فیصد خواتین ملازمت سے تنگ ہیں، وہ مجبوراً ملازمت کر رہی ہیں اور ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ وہ ملازمت کی ذلت سے خلاصی حاصل کر کے امور خانہ سنبھالیں۔ اس صورتحال کے پس منظر میں مشرقی مسلم خواتین کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اسلامی تہذیب کو اپنی آخری پناہ گاہ سمجھیں اور یہ یقین کر لیں کہ اس کے مقابلہ میں کوئی تہذیب انہیں وہ بلندی، رفعت، حیا، پاکدامنی، عزت، کرامت و شرافت، تقدس اور اخلاقی قوت نہیں دے سکتی جو اسلام نے ان کو عطا کی ہے۔ میں یہاں اپنے مقالہ کے ذریعے تمام قارئین سے درخواست کرتی ہوں کہ اسلام کی ان مقدس تعلیمات سے خواتین کو روشناس کرائیں جن میں خواتین کے حقوق کا ذکر ہے اور مغربی تہذیب کی ظاہری چکا چوند سے انہیں خبردار کریں۔

اسلامی خاندانی نظام: اسلام کا خاندانی نظام معاشرت اگر پوری طرح سے اپنا لیا جائے تو تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اسلامی نظام معاشرت اور مغربی نظامِ معاشرت کا سب سے واضح فرق یہی ہے کہ مغرب میں خاندانی نظام ٹوٹ رہا ہے، منتشر ہو رہا ہے۔ میاں بیوی میں اعتماد و محبت کا فقدان ہے۔ مغربی مفکرین و فلاسفہ مضطرب ہیں کہ مغربی معاشرتی نظام کس تدبیر سے بکھرنے اور ٹوٹنے سے بچ سکتا ہے۔ جبکہ اسلامی نظام معاشرت اتحاد، اعتماد، محبت اور خوفِ خدا کی ناقابل شکست بنیادوں پر استوار ہے، جسے کبھی توڑا اور بکھیرا نہیں جا سکتا۔ خواتین اسلامی سوسائٹی کی عظیم رکن اور مؤثر و فعال عضو ہیں۔ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ مغربی تہذیب کا سایہ بھی اپنے اوپر نہ پڑنے دیں۔ دینی معاملات میں وہ مردوں کے ساتھ برابر کی شریک ہیں ہر جگہ ان کی خدمات ہیں، علم و ادب، حدیث و تفسیر، جہاد و استقامت ہر میدان میں ان کے قابل رشک کارنامے ہیں۔ اللہ کی رحمت و بخشش میں بھی کامل مساوات ہے، وہاں مرد و زن میں تفاوت نہیں ہے۔ اس وقت ضرورت ہے اسلامی تہذیب و ثقافت تہذیب کو عام کرنے اور مغربی تہذیب و ثقافت کا بائیکاٹ کرنے کی ہے، مغربی نظام زندگی کی حقیقی لذت و سرور و سکون سے خالی

اورمحروم ہے، وہاں تیز رفتار ترقیات ضرور ہوئی ہیں، محیر العقول سائنسی کارنامے ضرور ہیں، مگر اپنی زندگی اور خاندان میں کوئی اصلاح اور سدھاران سے نہ ہو سکا:

مغربی تہذیب و ثقافت پر تنقید علامہ اقبالؒ کی نظر میں: علامہ اقبال نے تہذیب کے عناصر ترکیبی اور اس کے کمزور پہلوؤں کا اچھی طرح مطالعہ کیا اور اس فساد کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی جو اس کے مادی رجحان، مذاہب اور اخلاقی و روحانی اقدار سے اہل مغرب کو بغاوت کی وجہ سے اس کے خمیر میں شامل ہوگیا ہے۔ انہوں نے قلب و نظر کے اس فساد کو جو اس تہذیب کی خصوصیت ہے روح تہذیب کی آلودگی و ناپاکی پر محمول کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

بقول علامہ اقبال ؎

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب کہ روح اُس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف
(۳۳۳)

خلاصہ کلام: اسلامی تہذیب ایسی تہذیب ہے جس کا ضمیر و خمیر اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی اور اس کا یقین و ایمان ہے، وہ خدائی رنگ ''صبغۃ اللہ'' میں رنگی ہوئی ہے، اور ایمان و اذعان کی بنیادوں پر قائم ہے۔ اس لئے اس کو دینی رنگ اور ربانی آہنگ اور ایمانی روح سے الگ کرنا ممکن نہیں۔ قرآن کریم اور رسالت محمد ﷺ نے یہ اعلان کیا کہ یہ دنیا بلا حاکم و مالک کے یا کئی حاکموں کی مشترکہ ملکیت نہیں بلکہ اس کا ایک ہی بادشاہ ہے جو اس کا خالق وصانع اور اس کا حاکم و مدبر ہے، اور خلق و امر کا اختیار اسی کو ہے: اَلا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرِ ۔ اسی کا نام پیدا کرنا ہے اور اسی کا کام حکم دینا ہے۔ اور آپ ﷺ نے دین و دنیا کی علاحدگی کے نظریے کو حرف غلط بنیا کر پوری زندگی کو عبادت، ساری روئے زمین کو سجدہ گاہ بنا دیا اور انسان کو متحارب و متصادم چھاؤنیوں سے نکال کر ''عمل صالح'' خدمت انسانیت، اور اللہ کی رضاجوئی کے وسیع اور متحدہ محاذ پر لا کھڑا کیا۔ آپ ﷺ نے انسانیت اور زندگی کو ایک نئی خوشگوار زندگی مہیا کی۔ اور اسے زمین کی پستی سے اٹھا کر عزت و سیادت، اعتماد و خودداری اور اعتماد علی اللہ کے اوج ثریا پر پہنچا دیا۔

تجاویز و سفارشات:

☆...... عالم اسلام کو چاہئے کہ وہ نام کے نہیں بلکہ عملاً سچے مسلمان بنیں۔ مسلم امہ آج کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے کہ صیہونی طاقتیں آور بالادست مغرب جب کہتا ہے کہ وہ مسلم دنیا میں جمہوریت نافذ کرنا چاہتا ہے، تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ مغرب اپنے تصور کو مسلم ممالک میں نافذ کرنا چاہتا ہے۔ جو صریحاً غیر اسلامی ہیں۔'' اگر آج تمام مسلمان ایمان اور اخلاص کے ساتھ متحد ہو جائیں تو وہ ایک بہترین نظام تشکیل دے سکتے ہیں۔ جس میں کسی صیہونی طاقت کو دخل دینے کی جرأت نہ ہونگی۔

☆...... امت مسلمہ کو کسی ایسے معاہدے میں شریک نہیں ہونا چاہئے، جو اسلام کی اہانت کا موجب ہو۔ ہمیں اس بات پر بھی غور کرنا چاہئے کہ بین التہذیبی وثقافتی تقارب کہیں بنوقینقاع، بنونضیر، بنوقریظہ، اور اہل نجران کی آل اولاد کی چال تو نہیں۔

☆...... مسلمانوں کو بطور خاص سائنسی ٹیکنالوجی علوم پر توجہ دینی چاہئے، باہمی تقرب و ہم آہنگی کے فروغ کی کوشش ضرور کرنی چاہئے۔ مگر بین المذاہب تقارب واتحاد کے بارے میں خبردار رہنا بھی چاہئے، کیونکہ امریکہ ثقافتی عالمگیریت کے خواب کی تعبیر کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہے۔

☆...... امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ پوری دنیا کو رسول اللہ ﷺ کے عالمی پیغام سے ''ادعو بالحکمۃ'' کے اسلوب سے آگاہ کریں۔

☆...... اجتماعی طور پر دنیا کو ایک ایسی تنظیم بنانے کے سلسلے میں مدعو کریں جو عین اسلامی تعلقات کے مطابق ہو اور اسلامی تہذیب وثقافت کی آئینہ دار ہو جس کے نتیجے میں حلم و بردباری صبر وتحمل، مذہبی رواداری، اخوت ومساوات اور عدل وانصاف پر مبنی ایسا نظام قائم ہو سکے جو عالم انسانیت کی رنگ ونسل، زبان ووطن اور مذہب وعقیدہ کے تعصبات سے بالاتر ہو کر خدمت کر سکے۔

☆...... تمام مذاہب کا احترام یکساں طور پر کیا جائے۔ مذہبی بنیادوں پر کسی کے ساتھ ناانصافی اور زیادتی نہیں ہونی چاہئے۔ باہمی مفاہمت کے لئے مکالمے اور ڈائیلاگ آپس میں کریں تاکہ مسلم ممالک میں قوت اتحاد پیدا کر سکیں۔

☆...... اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اسلام اور مغربی تہذیب کے درمیان متعدد بنیادی اختلافات کے باوجود، دونوں تہذیبوں میں ایسے عناصر موجود ہیں، جن میں دونوں کے درمیان شراکت اور باہمی احترام کا رشتہ قائم ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے یہ بات بے حد ضروری ہے، کہ مغرب اسلام کے ساتھ معاندانہ طرزِ عمل ختم کرے۔

آج دنیا ایسی عالمگیر تہذیب و ثقافت کی متلاشی ہے، جس میں تمام انسانوں کے مابین اخوت واتحاد کا قیام عمل میں آئے، اس کے لئے ضروری ہے کہ تمام مسلم امہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں اور اس آیت ربانی ''واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً'': کے مطابق ''کہ سب مل کر اللہ کی رسی مضبوطی سے تھام لو'' عملی تفسیر بن جائیں، تو دیکھیں کسی قوم میں انشاء اللہ العزیز اتنی جرأت نہ ہوسکے گی کہ وہ اسلامی تہذیب و ثقافت سے محبت کرنے والوں کے اتحاد میں رخنہ ڈال سکیں۔ اس کے لئے اقوام عالم کو اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنا ہوگی، جو سرتاپا انسانیت کے رہنما اور فطرت انسانی کے ترجمان ہیں۔

اُن کے ہم فدائی ہیں جو رسول اکرم ﷺ ہیں جو کہ فخرِ عیسیٰ ہیں افتخار آدمؑ ہیں
جن کا ہے لقب طٰہٰ اور خطاب ہے یٰسین جو حبیب خالق ہیں جو طبیب عالم ہیں

اس دعا کے ساتھ مقالہ مکمل کرتی ہوں کہ اے خدائے عزوجل! مجھ گناہگار کو اسوۂ حسنہ کے اتباع کی توفیق عطا فرما، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عشق کے حوالے سے میری اس حقیرسی کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمالے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن ۝

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سورۂ احزاب، آیت ۲۱

۲۔ سورۂ والتین، آیت ۹۵/۴،

۳۔ ثقافت کا اسلامی تصور، ڈاکٹر خالد علوی، دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔

۴۔ تہذیب اسلامی، محمد ارشد خان بھٹی، ص۲،

۵۔ القاموس، العصری، دیکھئے اسلام کے کارہائے نمایاں، پروفیسر غلام رسول، ص ۷۸۰،

۶۔ پرچہ تہذیب الاخلاق، ۱۸۷۰ء

۷۔ منقول از دبستان تاریخ اردو، مصنف حامد حسن قادری کراچی، ۱۹۶۶ء، ص۳۴۴،

۸۔ تہذیب کی کہانی، انوار ہاشمی، ۱۹۷۹ء، ص۱۸،

۹۔ تہذیب کی کہانی، انوار ہاشمی، ۱۹۷۹ء، ص۱۹،

۱۰۔ المنجد، طبع بیروت،

۱۱۔ اسلام کے کارہائے نمایاں، پروفیسر غلام رسول، ص۷۵۰،

۱۲۔ القرآن، سورۂ بقرہ، آیت ۱۹۱

۱۳۔ القرآن، سورۂ الانفال، آیت ۵۷

۱۴۔ القرآن، سورۂ احزاب، آیت ۶،

۱۵۔ الثقافۃ، مکتبہ اہلدیہ بیروت، ص۱۹،

۱۶۔ ترجمہ ثقافت وانتشار مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کراچی، ۱۹۶۱ء

۱۷۔ T.S. Eilot Notes to wards the definatur of culture p-13

۱۸۔ T.S. Eilot Notes to wards the definatur of culture p-120
۱۹۔ Culture and History، مصنف فلپ بگ بی۔
۲۰۔ ثقافت کا مسئلہ، بحوالہ سید قاسم محمود، ص ۵۱۸
۲۱۔ تہذیب کی کہانی، انوار ہاشمی، ص ۳۷
۲۲۔ القرآن، سورۂ بقرہ، آیت......
۲۳۔ International Colloium Paper, p-26
۲۴۔ براؤڈل On history، ص ۲۰۵
۲۵۔ بوزمین Civilizations Understress، ص ۱
۲۶۔ اسلام کے کارہائے نمایاں۔ چودھری غلام رسول، ایڈیشن ۱۹۷۹ء، ص ۱۱
۲۷۔ ''آسلام دوراہے پر'' مصنف محمد اسد، بحوالہ: اسلام کے کارہائے نمایاں، غلام رسول، ص ۱۴،
۲۸۔ اسلام کے کارہائے نمایاں، چودھری غلام رسول، ص ۱۸
۲۹۔ Cambridge Medieval History, vol-ii, p106-107
۳۰۔ تاریخ یورپ، لیکی، ج ۲، ص ۱۹۰،
۳۱۔ ایران بعید ساسانیاں، از پروفیسر ارھر کرسٹن، ترجمہ: ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۱۲۶،
۳۲۔ ایضاً، ص ۴۴۲
۳۳۔ ایضاً، ص ۴۲۰
۳۴۔ ایران بعید ساسانیا، ص ۴۲۷
۳۵۔ ایضاً، ایران بعہد ساسانیاں، ص ۴۳۵،
۳۶۔ ایضاً، ص ۴۳۶
۳۷۔ ایضاً، ص ۴۳۷

۳۸۔ اسلام کا نظام حیات، مصنف عبدالوہاب ظہوری، ص ۲۰۳،

۳۹۔ پاکستانی کلچر، اے پروفائل، ایم یوسف عباسی، ص ۷،

۴۰۔ مطالعہ پاکستان، گل شہزاد سرور اور فرحت شہاد، ایڈیشن ۲۰۰۲ء، ص ۷

۴۱۔ ایضاً، ص ۷۔۸

۴۲۔ اسلام کے کارہائے نمایاں، چودھری غلام رسول، ص ۲۴

۴۳۔ تمدن عرب، ص ۳۷۲

۴۴۔ اسلام کے کارہائے نمایاں، چودھری غلام رسول، ص ۲۴

۴۵۔ Islamic Culture, 2, Faysee

۴۶۔ اسلامی نظریہ حیات، پروفیسر خورشید احمد، کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی، ۱۹۲۸ء، ص ۳۹

۴۷۔ فرید وجدی، تطبیق الدیانۃ الاسلامیہ، قاہرہ، ص ۱۴،

۴۸۔ Encyclopedia of Religions and Ethics

۴۹۔ W.D. Gurdry Religion,6

۵۰۔ قادری، سید حسین، ڈاکٹر، امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق، لاہور، ص ۱۸۱،

۵۱۔ James, H. Heuba, God Orman, London, 1934, Religion.

۵۲۔ Plutarch, Humanity Andderty, London, P-112

۵۳۔ بحوالہ مارٹن یوتھ، کتاب الفلسفہ، عربی ترجمہ، بیروت، ص ۱۲۵،

۵۴۔ سورۂ روم، آیت ۳۰

۵۵۔ تاریخ مذاہب، رشید احمد، زمرد پبلی کیشنز، لاہور، قلات کوئٹہ، ۲۰۰۵ء، ص ۸

۵۶۔ تاریخ مذاہب، رشید احمد، زمرد پبلی کیشنز، لاہور، قلات کوئٹہ، ۲۰۰۵ء، ص ۸

۵۷۔ سورۂ الجاثیہ، آیت ۲۴

۵۸۔ سورۂ یٰسین، آیت ۷۹،

۵۹۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، لاہور، الفیصل، ناشران، ۱/ ۷۸،۷۹

۶۰۔ Encyclopeadia Americana, New York, Edition 1947, Encyclopeadia Britiannica, 9th Edition, 1984, "Religion" Encyclopeadia of Religion and Ethics. "Religion" "Edinburgh, 1967,"Religion"

☆ لیوس مور، مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا، مترجم یاسر جواد، لاوہر، نگارشات، ۲۰۰۱ء، ص ۱۶، ☆ غلام رسول چوہدری، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، لاہور، علمی کتب خانہ، ۱۹۹۸ء، ص ۵۹،

۶۱۔ Encyclopeadia of Religion and Ethics. "Religion"

☆ رشید احمد، تاریخ مذاہب، اشاعت دوم، ۱۹۶۸ء،

☆ عبداللہ المسدوسی، مذاہب عالم مطبوعہ ۱۹۶۴ء، ص ۱۹۶۴ء، ص ۲۲۷، ☆ غلام رسول، چوہدری، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص ۵۰۔۵۱،

۶۲۔ سورۂ الزخرف، آیت ۹

۶۳۔ سورۂ الاعراف، آیت ۱۷۲

۶۴۔ سورۂ البقرہ، آیت ۹

۶۵۔ سورۂ الصف، آیت ۹

۶۶۔ سورۂ الکافرون، آیت ۶

۶۷۔ سورۂ الانعام، آیت ۱۳

۶۸۔ سورۂ آل عمران، آیت ۹

۶۹۔ سورۂ سبا، آیت ۲۸

۷۰۔ سورۂ آل عمران، ۵۷

۷۱۔ سورۂ الاعراف، آیت ۱۵۸

۷۲۔ سورۂ الفرقان، آیات ۱تا۲

۷۳۔ احمد بن حنبل، المسند، قاہرہ، دارالمعرف، ۱۹۳۶، ۴/ ۴۱۶،

۷۴۔ ایضاً، ۲۵

۷۵۔ بخاری، الجامع الصحیح، بیروت، دارالفکر ۱۹۸۱ء، کتاب الوضوء، ۱، ۸۶،

۷۶۔ سورۂ المائدہ، آیت ۲

۷۷۔ یوسف القرضاوی، المبشر ات بانتصار المسلمین، مترجم عبدالحلیم فلاحی، لاوہر، منشورات، ۲۰۰۴ء، ص ۱۱،

۷۸۔ حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر، تجلیات سیرت، کراچی، فضلی سنز، اشاعت سوم، ص ۹۵،

۷۹۔ نعیم صدیقی، محسن انسانیت، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء، ۲۲، ۲۳

۸۰۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، الجہاد فی الاسلام، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، اشاعت سوم، ص ۹۵

۸۱۔ Gibbon, Roman Empire London, vol-v, Chix

۸۲۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، الجہاد فی الاسلام، ص ۲۰۷

۸۳۔ ایضاً، ص ۲۰۷

۸۴۔ Ferrer: Early Days of Chiristianity, London, p.488

۸۵۔ غلام حسین، حافظ، اسلامی حکومت میں اقلیتیں، لاہور، مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری، ۱۹۸۷ء، ص ۸

۸۶۔ سورۂ آل عمران ۱۰۳،

۸۷۔ سورۃ المائدہ، ۵ آیت ۱۸

۸۸۔ سورۃ بقرہ، آیت ۱۱۳

۸۹۔ عبدالمعید، عہد نبوی کا اسلامی معاشرہ، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، اپریل ۱۹۹۷ء،

۹۰۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، قاہرہ، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۵۵ء، ۱/ ۱۹۹،

۹۱۔ محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۷ء، ص ۲۹،

۹۲۔ Denison, J.H. Emotion as the basis of civilization, London, 1982, p.262

۹۳۔ ابوالحسن علی ندوی، نبی رحمت ﷺ، کراچی، مجلس نشریاتِ اسلام، ۱۹۸۸ء، ص ۵۵

۹۴۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۱، ۱۹۹،

۹۵۔ نجم الدین سیوہاروی، رسوم جاہلیت، لاہور، مکتبہ رشیدیہ، ۱۹۸۸ء، ص ۴۴،

۹۶۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، ۴، ۱۷۶،

۹۷۔ جرجی زیدان، العرب قبل الاسلام، قاہرہ، ۱۹۵۷ء، ص ۳۵۳،

۹۸۔ ابوالسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، کراچی، مجلس نشریاتِ اسلام، ۱۹۶۷ء، ص ۴۷

۹۹۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، ۱، ۳۲۹،

۱۰۰۔ محمود شکری آلوسی، بلوغ الارب فی احوال العرب، ۳، ۴۰۱،

۱۰۱۔ سورۃ البقرہ،

۱۰۲۔ سورۃ البقرہ،

۱۰۳۔ سورۃ آل عمران

۱۰۴۔ سورۃ البروج، آیات ۴ تا ۸

۱۰۵۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: Encyclopedia of Jews Religion, 1965

۱۰۶۔ سورۂ بقرہ، آیت ۸۵

۱۰۷۔ سورۂ المائدہ، آیت ۱۸،

۱۰۸۔ سورۂ بقرہ، آیت ۸۰

۱۰۹۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: Encyclopedia of Religion and Ethics, New York, 1931

۱۱۰۔ استثناء، ۲۰، ۱۳، ۱۶،

۱۱۱۔ سموئیل اوّل ۱۵: ۳

۱۱۲۔ منوشاستر باب اوّل، شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، ۴، ۱۲۲،

۱۱۳۔ ایضاً، ۱۲۲

۱۱۴۔ Peter, Edward, inqùistion, university of california press, 1989, p.6 نیز دیکھئے: ڈاکٹر مبارک علی، یورپ کا عروج، لاہور فکشن ہاؤس، ۲۰۰۰، ص ۴۷،

۱۱۵۔ ایضاً، ۴، ۱۲۳

۱۱۶۔ ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج زوال کا اثر، کراچی مجلس نشریاتِ، اسلام، ص ۴۷،

۱۱۷۔ ایضاً، ص ۴۷، نیز دیکھئے: راقم الحروف کی کتاب رسول اکرم ﷺ اور رواداری، کراچی، فضلی سنز، ۱۹۹۹ء، ص ۱۵۸،

۱۱۸۔ یجرویدادھیا، ۱۳، منتر ۱۲،

۱۱۹۔ یجروید، ۱۵، ۱۷، ۱۹،

۱۲۰۔ ایضاً، ۱۳، ۲۸

۱۲۱۔ سام وید، ۱۰، منتر ۳،

۱۲۲۔ ایضاً،

۱۲۳۔ گوتم دھرم شاستر ۶۴:۱۲، (مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے: البیرونی، کتاب الہند، مترجم سید اصغر علی، لاہور، الفیصل ناشران، ص ۲۰۶، ۲۰۷، غلام اکبر ملک، راجپوت تاریخ کے آئینے میں، لاہور، العقاب پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء، ص ۲۷، عبید اللہ سندھی، مولانا، تحفۃ الہند، کراچی، صدیقی ٹرسٹ، ص ۲۰۱، ۲۰۲، مبارک علی، اچھوت لوگوں کا ادب، لاہور، فکشن ہاؤس، ۱۹۹۳ء، ص ۲۰، ۲۱، Encyclopedia of Religion and Ethics, New York, 1921, Encyclopedia Britannica 1962, v-3, p.1011

۱۲۴۔ دیکھئے: Card, Richard A.ED. Buddhism. New York, Geogge Brazillier. 1961, Humphrel ys. Christmas, Buddhism. New York, Penguin Books, 1951,

۱۲۵۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:

۱۲۶۔ Encyclopedia of Religion and Ethics, New York, 1931,

۱۲۷۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبی، ۱، ۵۵،

۱۲۸۔ آرتھر کرسٹن، ایران بعید ساسانیاں، مترجم، ڈاکٹر محمد اقبال، کراچی، انجمن ترقی اردو، ص ۲۰۸،

۱۲۹۔ نبی کریم ﷺ اپنی دعوت کے ابتدائی ایام میں عربوں کے خاص ایام میں لگنے والے بازاروں میں یہ دعوتِ اسلام انہی الفاظ میں دیتے تھے۔ ملاحضہ

ہو: حاکم، ابوعبداللہ النیسابوری، المستدرک، بیروت، دارالکتب العلمیہ ۱۹۹۰ء، ج۱،ص۶۱، رقم ۳۹،

☆ احمد، بن حنبل، م۲۴۱، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۱۹۹۳ء، ج۴، ص۵۴۷، رقم ۱۵۵۹۳،

☆ طبرانی، سلیمان بن احمد ابوالقاسم (م۳۶۰ھ)، المعجم الکبیر، موصل، مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۹۸۳ء، ج۵، ص۶۱، رقم ۵۴۸۲،

۱۳۰۔ سورۂ سبا، آیت ۲۸

۱۳۱۔ ابویعلی، احمد بن علی (م ۳۰۷ھ)، المسند، دمشق، دارالمامون للتراث، ۱۹۸۴ء، ج۶، ص۶۵، رقم ۳۳۱۵،

۱۳۲۔ ترمذی، ابوعیسی (۲۷۹ھ)، المسند، بیروت، دارالفکر، ۱۹۹۴ء، صج ۳، ص۳۷۶، رقم ۱۹۴۲،

۱۳۳۔ ترمذی، ج۳، ص۳۷۱، رقم ۱۹۳۱

۱۳۴۔ ترمذی، ایضاً، رقم ۱۹۲۹

☆ مسلم، وبوالحسین بن الحجاج المسند، م۲۶۱ھ، رقم ۲۳۱۹

☆ حمیدی، عبداللہبن الزبیر ابوبکر (۲۱۹ھ)، المسند، بیروت دارالکتب العلمیہ، رقم ۸۰۲

۱۳۵۔ احمد، المسند، ج۴، ص۱۷۹، رقم ۱۳۴۶۳

۱۳۶۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں ولی عہد برطانیہ کا لیکچر، مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۳ء،

۱۳۷۔ سورۂ الانعام، آیت ۱۰۸

۱۳۸۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۳۹

۱۳۹۔ الحدیث مشکوۃ المصابیح، مولانا فضل کریم، ڈھاکہ، ۱۹۷۱ء، ص۲۰۰،

۱۴۰۔ سورۂ آل عمران، آیت ۲۴

۱۴۲۔ محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۲۸،
۱۴۳۔ سورۂ بنی اسرایل، ۷۰
۱۴۴۔ سورۂ الحجرات، آیت ۱۳
۱۴۵۔ مسند احمد
۱۴۶۔ سورۂ البقرہ، آیت ۲۹،
۱۴۷۔ سورۂ لقمان، آیت ۲۰،
۱۴۸۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۶
۱۴۹۔ سورۂ الذاریات، آیت ۵۶
۱۵۰۔ سورۂ نساء، آیت ۱۳۶،
۱۵۱۔ پاکستان کی اسلامی اساس اور جدید تقاضے، کے ایم عظیم، لاہور، خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۲، ص ۳۰۸،
۱۵۲۔ امام راغب اصفہانی، مفردات القرآن، بذیل مادہ،
۱۵۳۔ سورۂ لقمان، آیت ۳۱
۱۵۴۔ سورۂ الاعراف، آیت ۱۸
۱۵۵۔ سورۂ نحل، آیت ۶،
۱۵۶۔ http:quran-al-islam.com
۱۵۷۔ مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، لیوس مور، مترجمؒ یاسر جواد وسعدیہ جواد، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۱۶۰،
۱۵۸۔ مطالعہ مذاہب، ڈاکٹر مولانا محسن عثمان ندوی، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۹۹ء، ص ۳۱، ۳۲، ۳۳،
۱۵۹۔ مذاہب عالم میں تصور خدا، ڈاکٹر ذاکر نائیک، مترجم: سید امتیاز احمد، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۱۰،

۱۶۰۔ The Great Religion of the modern world, Joh clark, Merath', 1964, p.44

۱۶۱۔ مطالعہ مذاہب، ڈاکٹر محسن عثمان ندوی، کراچی ۱۹۹۹ء، ص ۱۵۳

۱۶۲۔ مذاہب عالم انسائیکلوپیڈیا، لیوس مور، مترجم: یاسر جواد منصوبیہ جواد، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۲۵۴،

۱۶۳۔ مذاہب عالم مین تصور خدا، ذاکٹر ذاکر نائیک، مترجم: سید امتیاز احمد، لاہور، ص ۱۸،

۱۶۴۔ مذاہب عالم میں تصور خدا، ڈاکٹر ذاکر نائیک، ص ۱۶، ۱۷،

۱۶۵۔ تاریخ مذاہب، رشید احمد، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۱۷۰، ۱۷۱،

۱۶۶۔ مذاہب عالم میں تصور خدا، ذاکر نائیک، مترجم: سید امتیاز احمد، ص ۱۹،

۱۶۷۔ خدا اور ایمان، وقار حسین مسافر، کراچی، ۲۰۰۰ء، ص ۱۳۱۔۱۳۲،

۱۶۸۔ ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، ڈاکٹر عبدالرشید، کراچی ۱۹۹۲ء، ص ۲۴۹

۱۶۹۔ مطالعہ مذاہب ڈاکٹر مولانا محسن عثمان ندوی، کراچی، ۱۹۹۹ء، ص ۶۹۔۷۰

۱۷۰۔ مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، لیوس مور، مترجم: یاسر جواد دوسعدیہ جواد، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۲۲۵،

۱۷۱۔ ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، ڈاکٹر عبدالرشید، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص ۱۶۴

۱۷۲۔ ماہنامہ دعوۃ، اسلام آباد، اگست، ۲۰۰۴ء، ص ۱۷،

۱۷۳۔ ماہنامہ دعوۃ، اسلام آباد، اگست، ۲۰۰۴ء، ص ۱۸،

۱۷۴۔ یعسعایاہ، باب نمبر ۴۲، آیت ۴۴

۱۷۵۔ Gesusthe Man by barbra pub corgi books

۱۷۶۔ یوحنا، ۱۴:۲۸

۱۷۷۔ یوحنا، ۱۰:۲۹

۱۷۸۔ متی، ۲۱:۲۸
۱۷۹۔ لوقا، ۱۱:۲۰
۱۸۰۔ انجیل، یوحنا، ۱۴:۳
۱۸۱۔ انجیل: یوحنا، ۱۷:۳
۱۸۲۔ سورۂ نساء، آیت ۱۳۶
۱۸۳۔ سورۂ نساء، آیت ۱۶۳
۱۸۴۔ سورۂ آل عمران: ۱۲۴۱۲۳
۱۸۵۔ سورۂ الشوریٰ، آیت ۵
۱۸۶۔ سورۂ نحل، آیت ۳۳،
۱۸۷۔ سورۂ نساء، آیت ۹۷، سورۂ نحل، آیت ۲۸
۱۸۸۔ سورۂ الانفطار ۸۲، آیت ۱۰۔۱۲،
۱۸۹۔ سورۂ نجم، آیت ۲۶،
۱۹۰۔ سورۂ نساء، آیت ۱۳۶
۱۹۱۔ سورۂ بقرہ، آیت ۴
۱۹۲۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۱۳
۱۹۳۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۸۵
۱۹۴۔ سورۂ فاطر، آیت ۲۴
۱۹۵۔ سورۂ الانبیاء، آیت ۹۲
۱۹۶۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۸۵
۱۹۷۔ سورۂ نساء، آیت ۱۵۱
۱۹۸۔ سورۂ الاحزاب، آیت ۴۰
۱۹۹۔ سورۂ بقرہ، آیت ۴

۲۰۰۔ سورۂ بقرہ، آیت ۶۲

۲۰۱۔ سورۂ نحل، آیت ۱۳

۲۰۲۔ Mohsin Mehdi Ibn-e- Khuldun's Philosphy of Hisory, 181

۲۰۳۔ سورۂ اخلاص، آیات ۱۔۴،

۲۰۴۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۱

۲۰۵۔ سورۂ فاتحہ، آیت ۵

۲۰۶۔ سورۂ الذاریات، آیت ۵۶

۲۰۷۔ سورۂ لقمان، آیت ۱۳

۲۰۸۔ سورۂ آل عمران، آیت ۶۴

۲۰۹۔ سورۂ نحل، آیت ۵۱

۲۱۰۔ سورۂ الانبیاء، آیت ۲۲

۲۱۱۔ سورۂ نساء، آیت ۱۷۱

۲۱۲۔ سورۂ مریم، آیت ۹۲

۲۱۳۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۱۳

۲۱۴۔ سورۂ یونس، آیت ۱۹

۲۱۵۔ سورۂ مومنون، آیت ۱۲

۲۱۶۔ مسلم۔ داؤد

۲۱۷۔ سورۂ نساء، آیت ۱

۲۱۸۔ اسلام کے کارہائے نمایاں، چودھری، ص ۸۷،

۲۱۹۔ سورۂ لقمان، آیت ۲۰

۲۲۰۔ تمدن اسلام، حصہ اول، مصنف خواجہ کمال الدین۔

۲۲۱۔ سورۂ حج، آیت ۸۔۹
۲۲۲۔ سورۂ مریم، آیت ۴۳
۲۲۳۔ سورۂ الانبیا، آیت ۴۷
۲۲۴۔ سورۂ القصص، آیت ۱۴
۲۲۵۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۴۵
۲۲۶۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۰
۲۲۷۔ ثقافت کا اسلامی تصور، ڈاکٹر خالد علوی، ص ۲۶
۲۲۸۔ قرآن کریم کی یہ آیات مفہوم کو واض کرتی ہیں: سورۂ الاعراف، ۱۵۸، سورۂ سباء، آیت ۲۸، سورۂ نساء، آیت ۱۷۰، سورۂ الانبیاء، آیت ۱۵۷، سورۂ الفرقان، آیت ۱
۲۲۹۔ قرآن کریم کی یہ آیات اس مفہوم کو واضح کرتی ہیں: سورۂ توبہ، آدیت ۲، سورۂ المائدہ، آیت ۳،
۲۳۰۔ سورۂ المائدہ، آیت ۱۵،
۲۳۱۔ سورۂ الاحزام، آیت ۴۰
۲۳۲۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی، لاہور۔
۲۳۳۔ سورۂ رعد، آیت ۲۱
۲۳۴۔ سورۂ دہر، آیت ۱۰
۲۳۵۔ تاریخ مذاہب، رشید احمد، زمرد پبلی کیشنز، لاہور، قلات، کوئٹہ، ۲۰۰۵ء، ص ۸،
۲۳۶۔ مطالعہ مذاہب عالم، پروفیسر محمد نواز، چودھری پولمیر پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء،
۲۳۷۔ مطالعہ مذاہب عالم، پروفیسر محمد نواز، چودھری پولمیر پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء،
۲۳۸۔ مطالعہ مذاہب عالم، پروفیسر محمد نواز، چودھری پولمیر پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء،
۲۳۹۔ مطالعہ مذاہب عالم، پروفیسر محمد نواز، چودھری پولمیر پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء،

۲۴۰۔ سورۂ مریم، آیت ۳۶

۲۴۱۔ متی باب: ۴۔۱۰۔۱۱

۲۴۲۔ مرقس باب ۱۲: ۳۸۔۳۲

۲۴۳۔ روزنامہ جنگ، کوئٹہ، منگل ۲۰، ستمبر، ۲۰۰۵، ص ۶

۲۴۴۔ روزنامہ جنگ، کوئٹہ، جمعرات ۲۲، ستمبر، ۲۰۰۵، ص ۴

۲۴۵۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، مقالات حکیم، مرتبہ شاہد حسین رزاقی، ج ا، ص ۱۰۳

۲۴۶۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۳

۲۴۷۔ عبداللہ محمد بن احمد القرطبی، الجامع الاحکام القرآن، الجز، ۱۶، ص ۱۰۔۱۱،

۲۴۸۔ سورۂ الاسراء، آیت ۱۰۱

۲۴۹۔ احکام القرآن، ج ۳، ص ۱۲۱۴

۲۵۰۔ التفسیر الکبیر، امام فخر الدین الرازی، الجزء السابع والعشرون، الطبعۃ الاولی، الزام، عبدالرحمان محمد عیدان، الجامعہ الازہر بمصر، ص ۱۵۶۔۱۵۷

۲۵۱۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، باب بینا أن اصل الدین واحد واشرائع والمناھج مختلفہ، ج ۲، ص ۸۶،

۲۵۲۔ ترمذی، ابی عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ جامع الترمذی۔

۲۵۳۔ سورۂ الشوریٰ، آیت ۱۳

۲۵۴۔ سورۂ نحل، آیت ۳۶

۲۵۵۔ سورۂ انبیاء، آیت ۱۵۲

۲۵۶۔ Toward Isaliization of Disciplices: international institute of Islamic thought U.S.A 1989.P 437, Isbn:0-9124

۲۵۷۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۹

۲۵۸۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۱۵

۲۵۹۔ سورۂ فاطر، آیت ۲۴

۲۶۰۔ Towards Islamization of Knowledge cited above P.438

۲۶۱۔ IBID, P.444

۲۶۲۔ بائیبل، قرآن اور سائنس، موریس بوکایئے، ادارۃ القرآن، کراچی ۱۹۸۵ء، ص ۵

۲۶۳۔ بائیبل، قرآن اور سائنس، موریس بوکایئے، ادارۃ القرآن، کراچی ۱۹۸۵ء، ص ۵

۲۶۴۔ Islam At the Crossroads: Muhammad Asad, Dawah Acaderry, International University

۲۶۵۔ IBID, p.7

۲۶۶۔ IBID, p.11

۲۶۷۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۹۱

۲۶۸۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۲۲

۲۶۹۔ طبرانی و بیہقی، خطیب التبریزی، محمد بن عبداللہ، مشکوۃ المصابیح، دمشق، المکتب، الاسلامی، ۱۹۶۱ء، ۲، ۶۱۳

۲۷۰۔ ترمذی محمد بن عیسی الجامع الصحیح، ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی الحسد، ۴، ۳۲۴

۲۷۱۔ ابوداؤد کتاب الادب باب الرحمۃ، ۵، ۲۳۱، ترمذی، کتاب التبر، باب ماجاء، فی رحمۃ المسلمین، ۴، ۳۲۴

۲۷۲۔ بخاری، کتاب التوحید، ۸: ۱۶۵

۲۷۳۔ الحدیث

۲۷۴۔ الحدیث،

۲۷۵۔ سورۂ قصص، آیت ۷۷

۲۷۶۔ ترمذی باب جاء فی حسن الخلق۔

۲۷۷۔ حافظ غلام حسین، اسلامی حکومت میں اقلیتیں، لاہور، دیال سنگھ لائبریری، ۱۹۸۷ء، ۱۴

۲۷۸۔ سورۂ آل عمران، آیت ۶۴

۲۷۹۔ صباح الدین عبدالرحمٰن، اسلام میں مذہبی رواداری، اعظم گڑھ انڈیا، ندوۃ المصنفین، ص ۵۳، ۵۵

۲۸۰۔ ایضاً، ص ۵۶

۲۸۱۔ سورۂ الاعراف، آیت ۱۷۲

۲۸۲۔ سورۂ شوریٰ، آیت ۴۸

۲۸۳۔ سورۂ الغاشیہ، آیت ۳۲

۲۸۴۔ میثاق مدینہ کے متن اور دیگر تفصیلات کے لئے دیکھئے: ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، بیروت، دارالفکر، ۲، ۱۱۹، ۱۲۰ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، بیروت، دارالمعرفہ ۱۹۶۹ء، ۳، ۲۲۴، محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی ﷺ، قاہرہ لجنۃ التالیف والترجمہ، ۱۹۴۱ء، ص ۱۔۷

۲۸۵۔ دیکھئے: محمد حمید اللہ، عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، کراچی، اردو اکیڈمی، ۱۹۹۷ء، ص ۱۹۶۔۱۹۸، دیگر تفصیلات کے لئے دیکھئے، راقم الحروف کا تحقیقی مقالہ ''میثاق مدینہ، سیاست نبویک کا مثالی شاہکار'' مطبوعہ السیر ہ، ششماہی ربیع الاول ۱۴۲۱ھ، ص ۱۳۳۔۱۶۶،

۲۸۶۔ محمد حمیدہ اللہ، عہد نبوی/ میں نظام حکمرانی، ص ۱۰۰

۲۸۷۔ محمد حمیدہ اللہ، عہد نبوی/ میں نظام حکمرانی، ص ۱۰۲

۲۸۸۔ محمد رسول اللہ ﷺ (مقالات سیرت النبی ﷺ) لاہور، مطبوعہ شعبہ اردو دائرہ

معارف، اسلامیہ، ۱۹۸۲ء، ص ۱٦۷

۲۸۹۔ محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۱۷٦، ایضاً، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۷ء، ص ۲۵۵،

۲۹۰۔ ابن ہشام، السیرۃ، النبویہ، ۲، ۱۱۹، ۱۲۰، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۳، ۲۲۴، ایضاً، الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی ﷺ، ص ۱۔۷،

۲۹۱۔ Ameer Ali` The Spirt of Islam, Karachi, 1969, P.58

۲۹۲۔ بحوالہ: پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء النبی ﷺ، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۴۱۵ھ، ۳، ۱۱۹

۲۹۳۔ حسین ہیکل، حیاۃ محمد ﷺ، قاہرہ، مطبعۃ النہضۃ العصریہ، ۱۹۴۷، ص ۲۲۷

۲۹۴۔ خالد علوی، ڈاکٹر، انسان کامل، لاوہر، الفیصل ناشران، ۲۰۰۱ء، ص ۲۵٦

۲۹۵۔ صلح حدیبیہ کے متن کے لئے دیکھئے: محمد حمید ہاللہ، الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی ﷺ، ص ۷۹، ۸۰

۲۹٦۔ سورۂ فتح، آیت ۱

۲۹۷۔ ابن قیم الجوزی، زادالمعاد، بیروت، مکتبہ الرسالہ، ۱۹۷۹ء، ص ۲۵٦

۲۹۸۔ ایضاً، ۲۵

۲۹۹۔ ابن قیم الجوزی، زادالمعاد، بیروت، مکتبہ الرسالہ، ۱۹۷۹ء، ۱، ۴۲۳

۳۰۰۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۴، ۳۴،

۳۰۱۔ امیر علی، روح السلام، ص ۲۲۹،

۳۰۲۔ جی سنگھ دارالز، رسول عربی ﷺ، سیرت اکیڈمی، ۱۹۷۹ء، ۱، ۴۲۳

۳۰۳۔ Arthergillman` The Saracens, London, P.184,185

۳۰۴۔ ماہنامہ فاران، کراچی، سیرت نمبر جنوری، ۱۹۵۶ء
۳۰۵۔ Stanley Lane Poll, The Speeches and Table Talik of The Prophet Muhammad, London, 1986, P.46
۳۰۶۔ شوامی لکشمن پرشاد، عرب کا چاند، ص ۱۶۲
۳۰۷۔ ابن جوزی قیم الجوزی، زادالمعاد، ۱، ۴۲۳
۳۰۸۔ ماہرالقادری، نعتیہ شاعری، از رفیع الدین اشفاق، کراچی، اردو اکیڈمی، ۱۹۷۶ء، ص ۶۱۶
۳۰۹۔ امیر علی، روح اسلام، ص ۴۲۳
۳۱۰۔ The Origions and History of Religions
۳۱۱۔ دنیا کے زندہ مذاہب۔
۳۱۲۔ مذاہب کا تقابلی مطالعہ Comparative Study of Religions
۳۱۳۔ The Auto biography of Malcolum-x (Essex) 1965, p-419-420
۳۱۴۔ A. Survey of Indian History. p. 32
۳۱۵۔ Influence of Islam on Indian Culture. p.107
۳۱۶۔ Society and the State in the Mughal Peiod, Delhi. 1941, p.91
۳۱۷۔ Macouliffe, The Sikh Religion, Sevaram Singh, Life Of Gurunanak.
۳۱۸۔ جنم ساکھی کلاں، ص ۱۲۷
۳۱۹۔ فاران سیرت، نمبر جنوری ۱۹۵۶ء

۳۲۰۔ ایج آف فیتھ، ص ۹۰۸،

۳۲۱۔ رِحلۃُ ابن جبیر

۳۲۲۔ تاریخ صلیقہ، ج ۲، ص ۴۱۷، نیز رحلۃ ابن جبیر ص ۳۳۳،

۳۲۳۔ رحلۃ ابن جبیر ص ۳۲۰،

۳۲۴۔ محمد انور بن اختر، اسلام، قرآن اور محمد ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں، ادارہ اشاعت اسلام کراچی، فروری ۲۰۰۳، ص ۲۸

۳۲۵۔ محمد انور بن اختر، اسلام، قرآن اور محمد ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں، ادارہ اشاعت اسلام کراچی، فروری ۲۰۰۳، ص ۲۹

۳۲۶۔ ملاحظہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں مالنگر Mullinger کا مقالہ ''مارٹن لوتھر'' پر:

۳۲۷۔ چودھری غلام رسول، اسلام کے کارہائے نمایاں، علمی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۷۹، ص ۶۸۲،

۳۲۸۔ تمدن عرب، ص ۵۱۳،

۳۲۹۔ چودھری غلام رسول، اسلام کے کارہائے نمایاں، علمی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۷۹، ص ۶۸۲،

۳۳۰۔ رابرٹ بری فالٹ اپنی مشہور تصنیف ''تعمیر انسانیت''

۳۳۱۔ بحوالہ مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے مصنفہ نور احمد، ص ۲۳، ۲۴،

۳۳۲۔ بحوالہ مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے مصنفہ نور احمد، ص ۲۴، ۲۵،

۳۲۸۔ Islmam at the Cross Road. p.95

۳۳۳۔ علامہ اقبال، ضرب کلیم، ص ۶۰

اُدۡعُ اِلیٰ سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ (القرآن)

آپؐ اپنی دانشمندانہ گفتگو اور نصیحت مندانہ خطاب کے ذریعہ اپنے رب کی جانب دعوت دیجئے

آپ ﷺ کی گفتگو و خطاب کا طریقہ سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

(خطیبوں، سیاست دانوں، لیڈروں، اساتذہ اور طالب علموں کے لئے رہنما کتاب)

مصنف

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

پرنسپل

قائد ملت گورنمنٹ ڈگری کالج

لیاقت آباد قاسم آباد کراچی

ناشر

مکتبہ یادگار شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ